ماہنامہ

دلیل راہ

لاہور

فروری 2011ء — ربیع الاول 1432ھ

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

پھوٹا جو سینہ شب تار الست سے
اس نور اولیں کا اجالا تمہی تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدار یثرب و بطحا تمہی تو ہو

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

پھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے
اس نور اولیں کا اجالا تمہی تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدار یثرب و بطحا تمہی تو ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیرے نام پہ دو جہاں فدا

روزنامہ جنگ کی ایک اشاعت میں ایک مضمون نظر سے گزرا۔ علماء کنفیوژن دور کریں۔ مضمون نگار کے اسلوب سے خلوص اور مذہبی متانت محسوس ہو رہی تھی لوگوں کے ذہن میں سلمان تاثیر کے قتل سے کئی ایک سوال پیدا ہو گئے۔

جماعت اہل سنت پاکستان کے "دارالافتاء" سے صادر ہونے والے فتویٰ نے ملت اسلامیہ کی مذہبی سوچوں کو ایک رخ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دینی مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے شکوک ذہن میں بے چینی پیدا کرنے لگے وگرنہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں پائی گئی ہے کہ افراد کی موت کوئی معنی نہیں رکھتی ایمان اور عقیدے کی حیات قومی زندگی کا محور ہوا کرتا ہے۔ چونکہ فی نفسہٖ مسئلہ کا تعلق قانون، فقہ، عدالت اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ہے اس لئے اسلامی قانون کے اصل مراجع کے بغیر صورت حال پوری طرح واضح نہیں کی جاسکتی۔

رسول زمین پر اللہ کے نائب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا نفوذ نبی اور رسول ہی کرتے ہیں۔ رسولوں کی تعظیم و تکریم دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم اور تکریم ہوتی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ رسولوں کی تکریم لازم کی گئی بلکہ رسولوں سے منسوب جملہ اشیاء کی تعظیم بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے صاف طور پر کہا:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"سو جو ان پر ایمان لایا اور ان کی خوب تعظیم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔ (الاعراف: 157)

حضور ﷺ کی بارگاہ میں آوازوں کو بلند کرنے سے منع کر دیا گیا۔ مزید یہ کہ رسول رحمت ﷺ کو عامیانہ انداز سے مخاطب کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور وہ لوگ جو اس تادیب کے باوجود باز نہ آئے ان کے اعمال اکارت چلے جانے کی خبر سنائی گئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْـهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو اور ان کے سامنے اونچے نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز میں بولتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چل سکے۔ (الحجرات: 2)

ایسے الفاظ جن کے استعمال سے کوئی دوسرا شخص فائدہ اٹھا کر گستاخی کر سکتا ہے ان جائز الفاظ کا استعمال بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ۗ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اے ایمان والو! "راعنا" مت کہو، کہنا ہی ہو کچھ تو عرض کرو" نظر میں رکھئے ہمیں" اور سنا کرو اور منکرین کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (البقرہ:104)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ مومن ایسے لوگوں سے قلبی روابط اور تعلقات رکھنے کو جائز نہیں سمجھتے جو حضور ﷺ کے گستاخ ہوں اور ان کی مخالفت کرتے ہوں۔

سورۃ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

" آپ نہیں پائیں گے کوئی قوم جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ پیار کریں ایسے لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں اگرچہ وہ لوگ ان کے آباؤ اجداد یا آل اولاد یا بھائی برادر یا کنبے قبیلے سے ہوں، اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا ہے اور اپنی خصوصی توجہ سے ان کی مدد فرمائی ہے اور اللہ انہیں باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی وہ ہمیشہ انہی میں رہیں گے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں، سنتا ہے جو اللہ کی جماعت ہے وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں"۔ (المجادلہ 22)

کتاب اللہ نے شاتمین رسول اور مخالفین انبیا کو ذلیل ترین مخلوق قرار دیا۔

ارشاد باری ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

" بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب لوگ انتہائی ذلیل لوگوں میں ہیں"۔ (المجادلہ 20)

وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کو دکھ اور ایذا دیتے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾

" بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ بھی انہیں دنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے اور اس نے ایسے لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ (الاحزاب 57)

اس آیت کی تشریح میں جمہور مفسرین نے یہ بات نقل کی ہے۔

مدینہ میں کچھ اوباش آوارہ صفت، بدمزاج اور منافقین شاتمین حضور ﷺ کے گھر والوں کے لئے تشبیب بکتے۔ گھرانہ رسول کی توہین کرتے، افواہیں پھیلاتے، دکھ دینے والی باتیں کرتے۔ قرآن حکیم نے انہیں ملعون کہا اور صاف واشگاف اعلان کر دیا۔ یہ دھتکارے ہوئے ملعون لوگ جہاں ملیں گرفتار کر لیے جائیں اور انہیں قتل کر دیا جائے۔ اس گینگ کا سرغنہ کعب بن اشرف تھا۔ حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں اعلان فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے جو مجھے کعب بن اشرف کے بارے میں سکون دے۔ محمد بن مسلمہ نے اجازت چاہی کہ اسے آئینہ میں اتارنے کے لئے مجھے کچھ کمزور باتیں کرنے کی بھی اجازت دی جائے۔ بارگاہ نبوت سے اجازت ملی اب اگلا ماجرا بخاری کی روایت کردہ حدیث میں تفصیلاً ملاحظہ ہو۔ امام بخاری نے اپنی جامع کی دوسری جلد میں صفحہ پانچ سو چھہتر (576) پر یہ حدیث بیان کی۔

حدثنا علی بن عبد اللہ قال حدثنا سفین قال عمرو سمعت جابر بن عبد اللہ یقول قال رسول اللّٰہا من لکعب بن الا شرف فا نہ قد اذی اللّٰہ ورسولہ فقم محمد بن مسلمۃ قال یا رسول اللّٰہ اتحب ان اقتلہ قال نعم قال فأذن لی ان اقول شیًاقال قل فاتاہ محمد بن مسلمۃ فقال ان ھذا الرجل قد سالنا صدقۃ وانہ قد عنا نا وانی قد اتیتك استسلفك قال وایضا واللہ لتملنہ قال انا قد اتبعناہ فلا نحب ان ند عہ حتی ننظر الی ای شیٔ یصیر شأنہ وقد اردنا ان تسلفنا وسقا او وسقین وحدثنا غیر مرۃ فلم یذکر وسقا اووسقین فقلت لہ فیہ وسقا اووسقین فقال اری فیہ وسقا اووسقین فقال نعم ارھنونی قالو ا ای شئی ترید قال ارھنونی نسآہ کم قالواکیف نر ھنك نسا ء نا وانت اجمل العرب قال فا رھنونی ابنا ء کم قالواکیف نر ھنك ابنا ء نا فیسب احدھم فقال رھن بوسق اووسقین ھذا عارعلینا ولکنا نر ھنك اللا مۃ قال سفین یعنی السلا ح فواعدہ ان یا تیہ فجاء لیلا و معہ ابو نائلۃ وھوا اخو کعب من الر ضا عۃ فدعا ھم الی الحصن فنزل الیھم فقالت لہ امراتہ این تخرج بھذہ السا عۃ فقال انما ہو محمد بن مسلمۃ واخی ابو نا ئلۃ وقال غیر عمر و قالت اسمع صوتا کا نہ یقطر منہ الدم قال انما ھو ا خی محمد بن مسلمۃ و رضیعی ابو نا ئلۃ ان الکریم لودعی الی طعنۃ بلیل لا جاب قال ویدخل محمد بن مسلمۃ معہ برجلین قیل لسفین سماھم عمر و قال سمہ بعضم قال عمر وجاء معہ برجلین فقال اذاماجاء وقال غیر عمر و ابو عبس بن جبر والحارث بن اوس و عباد بن بشر قال عمر و جا ء معہ برجلین فقال اذا ما جاء فانی قائل بشعرہ فا شمہ فا ذا را یتمونی استمکنت من راسہ فدو نکم فاضربوہ وقال مرۃ ثم اشمکم فنزل الیھم متو شحا وھو نفح منہ ریح الطیب فقال ما رایت کالیوم ریحا ای اطیب وقال غیر عمرو وقال عندی اعطر سید العرب واکمل العرب قال عمر و فقال تأذن لی ان اشم راسك قال نعم فشمہ ثم اشم اصحابہ ثم قال اذن لی قال نعم فلما استمکن منہ قال دونکم فقتلو ہ ثم اتوا النبی افاخبروہ

رسول محتشم ﷺ نے فرمایا:

کعب بن اشرف کا ذمہ کون لیتا ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور عرض کی آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں آپ ﷺ نے فرمایا: "جی ہاں" محمد بن مسلمہ نے کہا پھر آپ مجھے اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں اسے کچھ تعریضی کلمات کہہ سکوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور کہا یہ محمد ﷺ ہم سے صدقہ طلب کر رہے ہیں انہوں نے ہمیں تنگ کر رکھا ہے میں تجھ سے مقررہ میعاد پر سودا کرنے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا آپ لوگ محمد سے ضرور کبیدہ ہوں گے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا ہم نے ان کی اطاعت کی ہے لیکن اب چاہتے ہیں کہ چھوڑ دیں دیکھتے ہیں ان کی دعوت کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو ایک یا دو وسق پر سودا ادھار دے۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ دے دوں گا لیکن اس شرط پر کہ تم اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھ دو جواباً کہا گیا کہ عورتیں تمہارے پاس کس طرح رہن رکھی جا سکتی ہیں فتنہ کا ڈر ہے اس لئے کہ تو عربوں میں حسین شخص ہے، پھر کعب بن اشرف نے کہا کہ بیٹے رہن رکھ دو کہا گیا کہ تو اگر انہیں گالی دے گا تو یہ چیز باعث عار ہو گی

لیکن اگر تم قبول کرو تو ہم اسلحہ رہن رکھ سکتے ہیں اس طرح سودا مکمل کرنے کے لئے محمد بن مسلمہ نے کعب کو رات کے وقت بلا لیا۔ جب وہ قلعہ سے اتر کر ان کے پاس آیا تو محمد بن مسلمہ اور کعب کے رضاعی بھائی ابونائلہ نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ کعب بن اشرف کا قتل حضور ﷺ کی گستاخی کی سزا تھی (تلخیص)

گستاخ رسول ﷺ کی سزا پر امام بخاری کی روایت کردہ ایک دوسری حدیث ملاحظہ ہو۔ اس حدیث کو حضرت براابن عازب نے روایت کیا۔

عن ابی اسحق عن البرآء قال بعث رسول اللہ ﷺ الی ابی رافع الیھود ای رجالا من الانصار وامر علیھم عبد اللہ بن عتیك وكان ابو رافع یوذی رسول اللّٰھاویعین علیه وكان فی حصن له بارض الحجاز فلما دنوامنه وقد غربت الشمس وراح الناس بسرحھم وقال عبد اللہ لاصحابه اجلسوا امكانكم فانی منطلق ومتلطف للبواب لعلی ان ادخل فاقبل حتی دنا من البابثما تقنع بثوبه كانه یقضی حاجة وقد دخل الناس وھتف به البواب یا عبدا للہ ان كنت ترید ان تدخل فادخل فانی ارید ان اغلق الباب فدخلت فكمنت فلما دخل الناس اغلق الباب ثم علق الاغالیق علی ود قال فقمت الی الاقالید فاخذتھا ففتحت الباب وكان ابو رافع یسمر عنده فكان فی علالی له فلما ذھب عنه اھل سمرہ صعدت الیه فجعلت كلما فتحت بابا اغلقت علی من داخل قلت ان القوم لو نذروا بی لم یخلصوا الیحتیاقتله فانتھیت الیه فاذا ھو فی بیت مظلم وسط عیاله لا ادری این ھو من البیت قلت ابا رافع قال من ھذا فاھویت نحوالصوت فاضربه ضربة بالسیف وانا دھش فما اغنیت شیاً وصاح فخرجت من البیت فامكث غیر بعید ثم دخلت الیه فقلت ما ھذا الصوت یاابا رافع فقال لأ مك الویل ان رجلا فی البیت ضربنی قبل بالسیف قال فضربه ضربة اثخنته ولم اقتله ثم وضعت ضبیب السیف فی بطنه حتی اخذ فی ظھرہ فعرفت انی قتلته فجعلت افتح الابواب بابابا حتی انتھیت الی درجة له فوضعت رجلی وانا اری انی قد انتھیت الی الارض فوقعت فی لیلة مقمرة فانكسرت ساقی فعصبتھا بعمامة ثم انطلقت حتی جلست علی الباب فقلت لا اخرج الیلة حتی اعلم اقتلته فلما صاح الدیك قام الناعی علی السور فقال انعی ابا رافع تاجر اھل الحجاز فانطلقت اصحابی فقلت النجاء فقد قتل اللہ ابا رافع فانتھیت الی النبی فحدثته فقال ابسط رجلك فبسطت رجلی فمسحھا فكانما لم اشتكھا قط۔

حضرت براء ﷺ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے کچھ حضرات کو (جو انصار تھے) ابورافع یہودی کی طرف بھیجا ان لوگوں کا قائد حضرت عبداللہ بن عتیک ﷺ کو بنایا یہ ابورافع نبی علیہ السلام کو ایذا دیتا تھا اور آپ کے خلاف لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا وہ سرزمین حجاز کے اپنے ایک قلعے میں رہتا تھا، جب وہ گروہ قلعہ کے قریب گیا تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے ٹھکانوں پر واپس آ رہے تھے، اب عبداللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم حضرات اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ میں چلتا ہوں۔ دربان کو نرم کرنے کی کوشش کروں گا شائد میں اس طرح قلعے میں داخل ہو جاؤں۔ وہ آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچ گئے پھر انہوں نے چادر لپیٹ لی گویا وہ رفع حاجت کر رہے ہیں، لوگ قلعے میں داخل ہو گئے۔ دربان

نے پکارا اے اللہ کے بندے! تو اندر داخل ہو کیونکہ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں، اب میں (عبداللہ بن عتیک) اندر چلا گیا، میں چھپ گیا جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس (دربان) نے دروازہ بند کر دیا پھر اس نے چابیاں اندر ایک میخ پر لٹکا دیں وہ اپنے ایک بالا خانے میں تھا جب اس کے پاس سے قصہ گو چلے گئے اب میں اوپر چڑھا میں جو دروازہ بھی کھولتا اندر سے اسے بند کر کے آگے بڑھتا تھا تا کہ اگر لوگوں کو پتہ بھی چل جائے تو مجھ تک نہ پہنچ پائیں تا کہ میں اسے قتل کر سکوں میں اب اس تک پہنچ گیا وہ ایک تاریک گھر (کمرہ) میں اپنے اہل خانہ کے درمیان سو رہا تھا مجھے پتہ چل رہا تھا کہ وہ کس حصے میں ہے۔ میں نے پکارا اے ابو رافع! اس نے کہا یہ کون ہے؟ میں آواز کی طرف لپکا اور اسے تلوار کی ایک ضرب لگائی مجھ پر دہشت طاری تھی یہ ضرب کافی نہیں تھی، وہ چلایا میں کمرے سے نکل گیا میں کچھ فاصلے پر رک گیا پھر اندر داخل ہو کر کہا اے ابو رافع! یہ آواز کیا تھی وہ بولا تیری ماں مرے (اس نے اب اسے کوئی اپنا محافظ سمجھا ہو گا) ابھی ایک شخص نے کمرے میں مجھے تلوار ماری ہے، فرماتے ہیں پھر میں نے اسے شدید زخم بھری تلوار ماری مگر وہ تا حال مرا نہیں تھا پھر میں نے تلوار کا کنارا اس کے پیٹ میں اتار دیا تلوار پشت کی طرف سے نکل گئی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مر گیا ہے۔ میں ایک ایک دروازہ کھول کر باہر نکل کر ایک سیڑھی سے اترا میں نے سمجھا کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں مگر میں تو چاندنی رات میں گر چکا تھا میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے پگڑی سے اسے باندھ دیا پھر چل کر میں گیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور اپنے طور پر کہا کہ میں رات کو باہر نہیں نکلوں گا جب تک مجھے پتہ نہ چل جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے، جب (سحری کو) مرغ چلایا تو موت کی خبر دینے والا قلعے کی دیوار پر آیا اور کہا میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر دے رہا ہوں۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا نجات ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو مار دیا۔ اب میں سید کل علیہ السلام کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا سارا واقعہ آپ کو سنایا آپ نے فرمایا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلا دیا آپ نے اس پر (ہاتھ مبارک) پھیرا ایسا معلوم ہوا کہ اسے کبھی کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

عبداللہ ابن اخطل نبی کریم ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور اس کی دو لونڈیاں بھی حضور ﷺ کی گستاخی کرتی تھیں فتح مکہ کے بعد جب وہ غلاف کعبہ میں چھپا ہوا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اسے قتل کر دو کیوں نہ یہ کعبے کے پردے میں پناہ لیے ہو۔

ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ آپ کی گستاخی کیا کرتا تھا میں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ بات آپ پر گراں نہ گزری اور اس طرح اس کا خون ہدر رہا یہ روایت ابن قانع کی ہے۔

ہارون الرشید نے حضرت امام مالک سے مسئلہ پوچھا گستاخ رسول کی سزا کیا کوڑے سے مارنا کافی نہیں اس پر حضرت امام نے فرمایا:

اے امیر المومنین!

گستاخ رسول گستاخی کے بعد بھی زندہ رہے تو پھر امت کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کو فی الفور گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔

ردالمختار میں امام محمد بن سحنون کی روایت ہے۔

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے حضور ﷺ کو گالی دینے والا آپ کی شان میں کمی کرنے والا کافر ہے اور تمام امت کے نزدیک وہ واجب القتل ہے۔ (ردالمختار جلد سوئم ص 400)

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے صاحبزادے حضرت محمد ؓ کے دور میں ایک امام جس کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا، نے قرآن کی آیات کا مذاق اڑایا اور مفاہیم کے ردو بدل سے یہ الفاظ کہے:

''قسم ہے آٹا پینے والی عورتوں کی جو اچھی طرح گوندھتی ہیں پھر روٹی پکاتی ہیں پھر ثرید بناتی ہیں پھر خوب لقمے لیتی ہیں''۔

اس پر حضرت نے اسے قتل کا حکم سنایا اور لمحہ بھر بھی تاخیر نہ فرمائی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ باب ارتداد)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تاریخی الفاظ ملاحظہ ہوں:

''جو شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کرے اس کا خون حلال اور مباح ہے''۔

اس جملے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے عدالتی کارروائی ہو تو فبہا ورنہ پورا معاشرہ سستی اور کوتاہی پر مجرم ہو گا۔ ان ہی خیالات کا اظہار بار بار پنجاب ہائی کورٹ کے معزز جج میاں نذیر اختر فرما چکے ہیں۔

اب سنیے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے بارے میں آپ نے ایک موقع پر شاتمین دین و رسول کو قتل کرنے کے بعد جلا دینے کا حکم صادر فرمایا یہ روایت بھی بخاری کی ہے۔

حضرت امام حسین ؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں میرے والد گرامی کہتے تھے:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کسی نبی کو سب کرے اسے قتل کر دو اور جو کسی صحابی کو برا بھلا کہے اسے کوڑے مارو۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

''کافر اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے لیکن اس کافر کی توبہ قبول نہیں جو نبی کریم ﷺ کے حضور گستاخیاں کرتا ہے''۔

نسائی شریف کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر صدیق ؓ کو سب کیا آپ کے ایک عقیدت مند نے اجازت چاہی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حق صرف حضرت محمد ﷺ کا ہے کہ انہیں بکواس کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ (نسائی جلد دوم ص 170)

ابن ماجہ نے روایت کیا کہ حضرت معاذ بن جبل ؓ نے ایک مرتد کو قتل کی سزا دی اس پر فتح القدیر کا مؤلف لکھتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ (ابن ماجہ جلد 2، ص: 182، بحوالہ طبرانی)

محدث عبدالرزاق روایت فرماتے ہیں:

''خالد بن ولید ؓ نے کچھ مرتدوں کو آگ میں جلا دیا۔ حضرت عمر ؓ نے عرض کی اے ابوبکر ؓ آپ نے خالد ؓ کو کھلا چھوڑ دیا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا''۔
(مصنف جلد پنجم، حدیث 9412)

سنن ابی داؤد کی حدیث ہے:

حدثنا عباد بن موسی الختلی حدثنا اسمعیل بن جعفر المدنی عن اسرائیل عن عثمان الشحام عن عکرمة قال حدثنا ابن عباس ان اعمی کانت له ام ولد تشتم النبی ﷺ وتقع فیه فینها ها فلا تنتهی ویزجرها فلا تنزجر قال فلما کانت ذات لیلة جعلت تقع فی النبی ﷺ وتشتمه فاخذ المغول فوضعه فی بطنها واتکأ علیها فقتلها فوقع بین رجلیها طفل فلطخت ما هناک بالدم فلما اصبح ذکر ذلک للنبی ﷺ فجمع الناس فقال انشد الله رجلا فعل ما فعل لی علیه حق الاقام فقام الاعمی یتخطی الناس وهو یتزلزل حتی قعد بین یدی النبی ﷺ فقال یا رسول الله انا صاحبها کانت تشتمک وتقع فیک فانهاها فلا تنتهی وازجرها فلا تنزجر ولی منها ابنان مثل اللؤلؤتین وکانت بی رفیقة فلما کان البارحة جعلت

تشتمک وتقع فیک فاخذت المغول فو ضعه فی بطنها واتکات علیها،حتی قتلتها فقال النبی ﷺ الا اشهد وا ان دمها هدر ۔

حضرت عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ یہ بات ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتائی ایک اندھے کی ام ولد تھی وہ حضور ﷺ کو گالیاں بکتی تھی اور اسلام کے خلاف اعتراض کرتی تھی وہ نابینا شخص اس کو روکتا لیکن وہ باز نہ آتی۔ ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود وہ اپنے ہفوات سے باز نہ آئی۔ ایک رات وہ حضور ﷺ کو سب وشتم کرنے لگی تو نابینا صحابی اٹھا اور خنجر لیا اس کے پیٹ میں اتار دیا اور اس عورت کو قتل کر دیا صبح صبح یہ واقعہ رحمت عالم کو سنایا گیا۔ آپ ﷺ فرمانے لگے جس آدمی نے ایسا کیا ہے اس پر میرا حق ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ وہ شخص لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھا اور حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا اور تسلیم کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اس عورت کا قاتل ہوں یہ آپ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور اسلام پر اعتراض کیا کرتی تھی پس میں نے گذشتہ رات خنجر سے اسے قتل کر دیا حالانکہ میرے اس سے موتیوں جیسے دو بیٹے تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''سنو!سنو!تم سب گواہ ہو کہ اس کا خون ھدر ہے''۔(تلخیص)

اس حدیث میں غور وفکر کے لئے کافی مواد موجود ہے کہ اس عاشق رسول ﷺ نے ماورائے عدالت اس عورت کو قتل کیا لیکن حضور ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا۔

حضور انور ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو شہر نور میں ایک بوڑھا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور نام اس کا ابوعفک تھا انتہائی دشمنی کا اظہار کیا لوگوں کو وہ حضور ﷺ کے خلاف بھڑکاتا، نظمیں لکھتا جن میں دینی بدباطنی کا اظہار کرتا۔ جب حارث بن سوید کو موت کی سزا سنائی گئی تو اس ملعون نے ایک نظم لکھی جس میں حضور ﷺ کو گالیاں بکیں۔ حضور ﷺ نے جب اس کی گستاخیاں سنیں تو فرمایا:

''تم میں سے کون ہے جو اس خبیث اور بدکردار آدمی کو ختم کر دے''۔

سالم بن عمیر نے اپنی خدمات پیش کیں وہ ابوعفک کے پاس گیا دراں حالاں کہ وہ سورہا تھا۔ سالم نے اس کے جگر میں تلوار زور سے گھونپ دی۔ ابوعفک چیخا اور آنجہانی ہو گیا۔(سیر ابن ہشام، جلد دوم،ص868)

حویرث بن نقیض رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتا ایک بار حضرت عباس رضی اللہ عنہ، مکہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مدینہ جانے کے لئے ان کے ساتھ نکلیں۔ ظالم حویرث نے سواری کو اس طرح ایڑھ لگائی کہ دونوں شہزادیاں سواری سے گر گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے موت کی سزا سنائی۔ فتح مکہ کے موقع پر حویرث نے خود کو ایک مکان میں بند کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے تلاش کر لیا اور اپنے آقا ﷺ کے حکم پر اسے قتل کر دیا۔

بخاری شریف کی روایت ہے معاویہ بن مغیرہ نامی ایک گستاخ کو رسول اللہ ﷺ نے گرفتار کروا لیا اور فرمایا:

''ایک سچا مسلمان ایک ہی سانپ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا

اے معاویہ بن مغیرہ!

تم اب کسی صورت میں بھی واپس نہیں جا سکتے

پھر فرمایا:

اے زبیر!اے عاصم اس کا سر قلم کردو''۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے اور یہ حنفی فقہ کی معروف کتاب ہے۔

جب کوئی شخص حضور ﷺ یا انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی توہین کرے اس کی شرعی سزا قتل ہے اور اس کی توبہ یقینا

قبول نہیں ہوگی۔
فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ منسوب کسی چیز میں عیب نکالنے والا شخص کافر اور واجب القتل ہو گا۔ جیسے کسی شخص نے حضور ﷺ کے بال مبارک کے بارے میں تصغیر کا صیغہ استعمال کر کے تنقیص کی۔
علامہ جصاص رازی لکھتے ہیں:
مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا جو شخص حضور ﷺ کی ذات پاک کے خلاف بے ادبی کی جسارت کرے وہ مرتد ہے اور قتل کا مستحق ہے۔ (احکام القرآن)
عالمگیری میں ہے کہ جو شخص کہے حضور ﷺ کی چادر یا بٹن میلا کچیلا ہے اور اس قول سے مقصود عیب لگانا ہو اس شخص کو قتل کر دیا جائے گا۔
علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں اگر کسی شخص نے کسی شخص کے علم کو حضور ﷺ کے علم سے زیادہ جانا اس نے توہین کی اس لیے وہ واجب القتل ٹھہرا۔
قاضی عیاض فرماتے ہیں:

وبلغ المهاجر بن ابی امية أمير اليمن الأبی بكر ﷺ ان امرأة هنا ک فی الردة غنت بسب النبی ﷺ فقطع يدها ونزع ثنيتها ،فقال لو لا ما فعلت لا مرتک بقتلها

"یمن کے گورنر مہاجر بن امیہ نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کو اطلاع دی وہاں ایک عورت مرتد ہوگئی اس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی والا گیت گایا۔ گورنر نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور سامنے والے دو دانت توڑ دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا اگر تو فیصلہ کر کے عمل نہ کرا چکا ہوتا تو میں اس عورت کے قتل کرنے کا حکم صادر کرتا اس لیے کہ نبیوں کے گستاخ قابل معافی نہیں ہوتے"۔ (شفا جلد دوم 222)

حضور ﷺ کے گستاخ کی سزا یہی ہے کہ وہ واجب القتل ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں چاروں مسالک یہی ہیں۔
علامہ زین الدین ابن نجیم البحر الرائق میں ارشاد فرماتے ہیں حضور ﷺ کو سب وشتم کرنے والے کی سزا قتل ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔
علامہ خطابی فرماتے ہیں امت اس بات پر مجتمع ہے کہ کسی بھی نبی کی بے ادبی کفر ہے اور شاتم واجب القتل ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس حقیقت سے کسی نے انکار کیا ہو۔
مبسوط میں امام سرخسی فرماتے ہیں نبیوں کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے گا اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں ہوگا۔
امام سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں سفیان ہذلی کے بارے میں یہ روایت لکھی کہ حضور ﷺ نے اس گستاخ کی نشاندہی خود فرمائی اور کہا کہ اس وقت وہ وادی نخلہ یا وادی عرنہ میں ہے۔ تم جاؤ اور اسے قتل کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن انیس کو اپنا عصا مبارک بطور انعام عطا فرمایا۔ (خصائص الکبریٰ: سیوطی۔ جلد اول ص 325)
حضور ﷺ نے اپنے ایک گستاخ کو قتل کرنے والے کو یہ انعام عطا فرمایا تمہیں کوئی فتنہ ضرر نہیں دے سکے گا۔
بیہقی نے حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت کیا حضور ﷺ کے خلاف بکنے والے کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا۔
حضرت عمر فاروق ﷺ نے حضور ﷺ کا فیصلہ قبول نہ کرنے والے منافق کی گردن اڑا دی۔
نصوص قرآن اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں قاضی عیاض شفا شریف میں لکھتے ہیں۔ وہ سب لوگ جو نبی مکرم ﷺ کی گستاخی کریں، سب وشتم کریں، عیب لگائیں یا آپ ﷺ کی پاک ذات، نسب مبارک، آپ ﷺ کے دین یا آپ ﷺ کی کسی عادت میں نقص نکالیں، تعریض کریں یا بطور سب آپ کو کسی سے تشبیہ دیں، شان میں کمی کریں یا آپ ﷺ کی ذات اقدس میں

اعتراض کریں یہ سب باتیں سب و شتم ہیں ان کے مرتکب کو قتل کیا جائے گا۔ (شفا شریف۔ جلد دوم ص 217)
ابن حاتم طلیطلی اندلسی نے ایک مناظرہ میں از راہ استحقار حضور ﷺ کو علی المرتضیٰ ؓ کا سسر کہہ کر آپ کے زہد کو احتیاج کی بنا پر مجبوری قرار دیا تو اندلس کے تمام فقہاء نے اسے سولی پر لٹکانے کی سزا کا فتویٰ دیا۔
جسٹس میاں نذیر اختر اپنے ایک مقالے میں گراں قدر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ مسلمہ قانون ہے کہ توہین رسالت کی سزا موت ہے۔ عہد نبوی اور دور صحابہ میں بہت سے مجرموں کو اس جرم میں سزا دی گئی۔ برطانوی اور مغلیہ دور میں بھی توہین رسالت کے مرتکب افراد کو موت کی سزا دی گئی اور کبھی حکومتی سطح پر قانون پر عمل نہ ہو سکا تو مسلمان غازی علم الدین کی پیروی کرتے ہوئے خود ہی توہین رسالت کے مرتکب افراد کو سزا دیتے رہے گویا اس قانون پر امت متفق ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے''۔ (تقریر ایوان اقبال ونی سیکرٹریٹ)

جسٹس میاں نذیر اختر کے یہ الفاظ مزید غور و فکر کا تقاضا کرتے ہیں۔
یہ قانون چودہ صدیوں سے مسلمانوں کے قلوب پر نقش ہے اگر سزا ختم کی گئی تو فرق یہ پڑے گا کہ غازی علم الدین کی طرح عشاق سزائیں خود نافذ کر لیں گے۔

سرکار کی عظمت ہے ہمیں سب سے مقدم
پیغام یہ کفار کو سب مل کے سنائیں
جو کوئی بھی مجرم ہے توہین رسالت کا
عبرت کی اسے تصویر بنائیں
زندہ ہیں ابھی عالم اسلام کی مائیں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے ایک موقع پر کسی نے سوال کیا کہ حضور ﷺ کی طرف ایک متقرر نے تکبر کی نسبت کی، اس پر آپ نے جواب دیا یہ صریح کفر ہے ایسے شخص کا ایمان جاتا رہا۔ اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی۔ مسلمانوں کا اس سے سلام کلام حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑے تو اسے پوچھنا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے غسل و کفن دینا حرام، مرنے کے بعد اسے کوئی ثواب پہنچانا حرام بلکہ اس کے کفر پر مطلع ہو کر جو اسے مسلمان سمجھتا رہا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرے بلکہ اسکے کفر میں شک بھی کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 14 ص:646)

تاریخ بغداد میں یہ روایت موجود ہے:
حضور ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی مت دو اس لیے کہ آخر زماں ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو میرے صحابہ کو گالی دے گی اگر وہ بیمار ہو جائیں تو بیمار پرسی نہ کرنا اور اگر وہ مر جائیں تو ان پر نماز جنازہ نہ پڑھنا۔ ان سے نکاح کے رشتے نہ قائم کرنا۔ انہیں وراثت میں حصہ نہ دینا اور انہیں سلام بھی نہ دینا اور اس کے لیے دعائے رحمت بھی نہ کرنا۔ (تاریخ بغداد جلد 8 ص 139)
اس حدیث سے حضور ﷺ کی توہین کرنے والے کے لیے نرم دل رکھنے والے کا حکم آپ خود معلوم کر سکتے ہیں۔
اب میں چاہوں گا کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ C-295 کی طرف آؤں لیکن قبل اس کے کہ اس پر تشریحاتی گفتگو کی جائے اس پر دی گئی ایک توضیح ملاحظہ ہو۔

"The following is the text of 295C PPC which provides for the death penalty or life imprisonment for blasphemy. In 1992, by order of the Federal Shariat Court, 295-C PPC was amended to make death the only possible penalty for blasphemy. The National Assembly did not amend the PPC or appeal the decision of the Court in the time allowed by the decision. By order of the Court, failure to amend or

appeal the decision in the allotted time resulted in the allowance for life imprisonment to be deemed struck. While the wording has not changed, death is now themandatory penalty".

مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-C توہین رسالت پر عمر قید یا سزائے موت دیتی ہے۔ 1992 میں وفاقی شرعی عدالت کے حکم کے ذریعے 295-C میں توہین رسالت کی سزا کے طور پر صرف موت ہی کو ممکنہ سزا اپنانے کی ترمیم کردی گئی۔ قومی اسمبلی نے عدالت کی جانب سے مقررہ معیاد میں نہ تو قانون میں ترمیم کی اور نہ ہی عدالتی فیصلے کے خلاف اپیل کی گئی۔ عدالتی حکم کے مطابق دیئے گئے وقت میں ترمیم یا اپیل نہ کرنے کی صورت میں نتیجۃً عمر قید کی سزا خود بخود کالعدم متصور ہوگی باوجود یہ کہ عبارت میں تبدیلی نہیں کی گئی۔ اب موت ہی لازمی سزا ہے۔ (مجموعہ تعزیرات پاکستان توضیحی نوٹ 295-C)

اس وضاحت کے بعد یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ یہ قانون انسانی ذہن کی پیداوار نہیں اور یہ خیرات میں بھی نہیں دیا گیا۔ اس قانون کے عقب میں اسلامی تحریکات کے اربوں جذبے، قربانیاں اور شہادتیں موجود ہیں جن کے نتیجے میں قرآن و سنت کا نفوذ شرعی عدالت کے ذریعے عمل میں آیا ہے اور آئینی سطح پر اس کی توثیق کی گئی۔ اب یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ توہین رسالت کی سزا قتل صرف آئین پاکستان کی تجویز نہیں بلکہ یہ کتاب وسنت کا سپریم لاء ہے، جس کا انکار کفر ہے۔ اسے کالا قانون کہنا رسالت مآب ﷺ کی توہین ہے۔ اسے دقیانوسیت سے تعبیر کرنا جہالت ہے۔ اسے بدلنے کی کوشش احکام رسالت سے بغاوت ہے اور اسے غیر موزوں، غیر صحیح اور نامناسب کہنا مغرب پرستی ہے۔ وہ شخص جو خواہ مخواہ اس میں کیڑے نکالے گا وہ ریاست کا دشمن اور شرعی عدالت کی توہین کا مجرم ٹھہرے گا۔ اس پر دینی حلقے اگر جذباتی ہیں تو وہ 295-C کے الفاظ کے لئے نہیں قرآن و حدیث کے سینکڑوں شواہد پر جان چھڑ کنے کے لئے تیار ہیں اور یہ باتیں اگر کسی کو پسند نہیں تو اس کا کیا کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ سوچنا، سمجھنا اور فیصلہ کرنا انسان کا حق ہے مگر سچائی کو قبول کرنا اس کا فرض ہے۔ مغربی استعمار کی سوچوں کا رخ اپنا ہے لیکن مسلمان اپنی مدنی سوچوں اور افکار کو کسی کی غلامی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے اور یہ بھی صحیح ہے کہ انسان کو صیاد نہیں ہونا چاہیے جو جان و جسم، مال واسباب اور انسانی وقار کو خواہشات کو نشانہ بنائے لیکن وقار و احترام کے محور انبیاء اور مرسلین کی عزت اور ناموس کو نشانہ بنانے کی دہشت کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی۔ روشن خیالات کے نام پر انسانی زندگی کے سمندر میں حضور ﷺ ہی نہیں تمام انبیاء کے ناموس کو مقدس جاننے والی چھوٹی مچھلیاں بڑے وحشی ناگوں کی خوراک نہیں بن سکتیں۔

پروفیسر لاسکی کا کہنا ہے آزادی اس فضا کا نام ہے جسے حقوق پیدا کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ممالک کے اندر دو قسم کے قوانین اس وقت رائج ہیں " پبلک لاء " جس کی پابندی سے طاقتور عناصر فرد کی آزادی میں مداخلت سے باز رہتے ہیں، دوسرا " پرائیویٹ لاء " جس کی رو سے ریاست کے باشندے ایک دوسرے کی آزادی میں مداخلت نہیں کرتے۔ اسلامی ریاست کا قانونی مزاج یہی ہے لیکن اسلام اٹل قانون ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور حضور ﷺ کی ذات پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا منزہ عن العیوب ہونا اور حضور ﷺ نہ صرف آپ بلکہ تمام انبیاء کا "معصوم عن الخطاء" ہونا تسلیم کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی نقص وعیب کی طرف بڑھے تو اس کا یہ اقدام اس کے اسلام کی چادر کو پھاڑ دیتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں کوئی شخص حضور ﷺ کی توہین کرتا ہے تو پورا معاشرہ ایک دوراہے پر کھڑا ہوتا ہے یا وہ اسلام، اسلام کی اعلیٰ اقدار، روشن تاریخ، فقہا کے عدالتی فیصلے، عصمت انبیاء اور اپنے ایمان کے ساتھ چلنا اختیار کرے یا وہ اپنے اسلام سے دستکش ہو جائے دوسری صورت ناممکن، قطعی مشکل، از بس دشوار ہے۔ یہ ہے وہ وجہ کہ اسلامی معاشرے میں گستاخ رسول، رسول کے دامن پر حملہ کر کے عزت نہیں پا سکتا۔ اس گھناؤنے فعل کے ارتکاب کے بعد اس کا جنازہ پڑھنا، اس سے تعلق رکھنا چہ معنی دارد۔ گل سڑ جانے والا عضو بدن بھی جسم سے جدا کر دینا ناگزیر ہوتا ہے۔

مغرب کے روشن خیال لوگوں کی خدمت میں بھی ہم گذارش کریں گے کہ وہ تورات اور انجیل ہی کا مطالعہ کر لیں۔

کتاب مقدس ص 198 احبار باب 24 آیت 10 تا 17 میں لکھا ہے:

"یہ واقعہ ہے کہ دو بری کی بیٹی سلومیت کے بیٹے نے پاک نام پر کفر بکا اور لعنت کی اسے حوالات میں ڈال دیا گیا تا کہ اللہ فیصلہ فرمائے اب موسیٰ کی طرف سے حکم ملا اس لعنت کرنے والے کو لشکرگاہ کے باہر نکال کر لے جا اور جتنوں نے اسے لعنت کرتے سنا وہ سب اپنے اپنے ہاتھ اس کے سر پر رکھیں اور ساری جماعت اسے سنگسار کردے"۔

سلاطین باب اکیس میں ہے:

"اللہ اور بادشاہ کی توہین کرنے والے کی سزا، سزائے موت ہے۔ دو آدمیوں کو اس مجرم کے سامنے کرو کہ وہ اس کے خلاف گواہی دیں تو نے خدا پر اور بادشاہ پر لعنت کی ہے پھر اسے باہر لے جا کر سنگسار کرو تا کہ وہ مر جائے"۔

بات اصل میں یہ ہے کہ کسی جرم پر مجرم کو سزا دینا اس لئے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ یہ عمل اس شخص کی سوزش قلبی کا علاج ہو جس پر جرم کے ارتکاب سے زیادتی کی گئی ہے۔ جدید قوانین نے بھی اپنی توجہ اس طرف پھیری ہے کہ وہ جرم جو اجتماعی ناموس کو مجروح کرنے والے ہوں ان کی سزا کڑی رکھی جائے تا کہ معاشرتی بگاڑ کا کلیتہً ازالہ ہو جائے۔ وہ شخص جو توہین رسالت کرتا ہے وہ دراصل رسول کو ماننے والے ہر غلامِ رسول کے گھر میں داخل ہو کر گویا ڈکیتی کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ مفسد فی الارض ہوتا ہے اور یقیناً اس کی سزا قتل ہوتی ہے۔

پاکستان ایک آزاد مملکت ہے۔ اس کے آئین میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی بات کی گئی ہے۔ یہ آزاد ریاست آئینی قدروں کے سائے میں پرسکون آگے بڑھ رہی تھی کہ ایک شیری رحمٰن نامی عورت نے 295-C کے خلاف ترمیمی بل پیش کر کے معاشرتی پرامن اور پرسکون فضا کو درہم برہم کر دیا۔ بحیثیت رکن اسمبلی ان کو اندازہ کرنا چاہئے تھا کہ ملک میں بسنے والے کروڑوں لوگ جس ہستی پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں آزاد شہری کی حیثیت سے تمام حقوق حاصل ہیں ان کے دل پر کیا گزری ہو گی۔ جلتی پر تیل سلمان تاثیر نامی ایک شخص کا سیاہ کردار ثابت ہوا۔ عدالت میں حضور ﷺ کی توہین کرنے والی آسیہ نامی ایک عورت کو آزادی دلوانے کے لئے تاثیر نے جس سیاہ کرتوت کا ارتکاب کیا۔ اپنی بیٹی اور بیوی کی معیت میں پاکستان کا عدالتی سسٹم تباہ کر کے ایک گستاخ رسول کا محسن بنا۔ نہ صرف محسن بنا بلکہ توہین رسالت کے قانون کو "کالا قانون" قرار دیا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی موت سے تین چار دن پہلے جو انٹرویو دیا اس میں اصرار، ڈھٹائی اور ضد کے ساتھ ایک بار پھر توہین رسالت پر تاریخی اعتبار سے جو فیصلے کتاب وسنت کی روشنی میں ہوئے اور مجرموں کو سزائے موت سنائی گئی ان کا مذاق اڑایا۔ شرعی عدالت کے فیصلے کو ناموزوں، غیر صحیح اور کالا قرار دیا۔ اس پر حملہ کر کے قتل کرنے والے ممتاز حسین قادری کا بیان ہے کہ صرف اتنا ہی نہیں یہ شخص اپنی عمومی زندگی میں بھی اسلام کا مذاق اڑاتا رہتا تھا۔ اسلام کا ایک عام طالب علم اگر تھوڑی دیر کے لئے سلمان تاثیر کی گورنری کا غلاف اتار دے اور غور وفکر کرے تو بات کو واضح کرنے کے لئے میں اسے کربلا لے جاؤں گا اور اس ماحول میں انسانی ضمیر سے فتویٰ لینا چاہوں گا کہ ایک ایسا شخص ہو جس نے ہندو عورت کے پیٹ سے بچے پیدا کیے ہوں۔ اس کا لختِ جگر لکھتا ہو کہ میرا ابا سؤر کا گوشت حلال سمجھ کر کھاتا ہے اور اس کی بیٹی کہتی ہو کہ میرا والد نہ صرف یہ کہ ناموس رسالت کے قانون میں ترمیم چاہتا تھا بلکہ وہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے والی قانون کی شق کا بھی مخالف تھا اور وہ شراب بھی جائز سمجھ کر پیتا ہو اور دھت رہتا ہو اور راسے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے میں شرم محسوس نہ ہوتی ہو اور وہ مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز سمجھتا ہو اور نہ صرف جائز سمجھتا ہو بلکہ اس نے تجربہ عملی طور پر نبھایا ہو، وہ توہین رسالت کے جرم پر قتل کی سزا دینے کے شرعی قوانین کو کالا اور سیاہ قرار دیتا ہو نہ صرف یہ بلکہ ایک مجرمہ شاتمہ بدکردار عورت کو رہائی دلوانے کی اپنی سی کوشش بھی کی ہو۔ جو قرآن پاک "الٹا" پڑھنے کا دلدادہ ہو اور کتاب انقلاب قرآن حکیم کے بارے میں یہ کہتا ہو کہ میرے لئے قرآن میں کچھ بھی نہیں۔ اب میں پوچھنا چاہوں گا کہ آپ اگر کربلا میں حسین ؓ کے پرچم تلے کھڑے ہو جائیں تو لگے گا یہ ساری صفات رکھنے والا یزید ہی ہو

سکتا ہے۔ سلمان تاثیر کے بارے میں جو کچھ اس کے بیٹے نے لکھا اور جو کچھ انہوں نے خود بیان کیا وہ کافی ہے۔ ایسے عالم میں یہ کیسے ممکن تھا کہ پاکستان میں یزید کی شناخت غیر ممکن رہتی۔ تاثیر کے متعلق اس کے بیٹے آتش تاثیر کی گواہی ملاحظہ ہو:

> "My father, who drank Scotch every evening, never fasted or prayed, even ate pork, and once said, 'It was only when I was in jail and all they gave me to read was the Koran–and I read it back to front several times that I realised there was nothing init for me".
> (Stranger to History, Page # 21,22)

میرا خیال ہے علمائے اہل سنت کا فتویٰ پورے تدبر، تاریخی مطالعہ، عمیق تجزیے اور آئینی دائرے میں رہ کر دیا گیا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ علمائے اہل سنت کو سلمان تاثیر کے خلاف سخت فتویٰ دینے کی بجائے 295-c کے تحت مقدمہ درج کروانا چاہیئے تھا۔ یہ مشکل اپنی جگہ کہ کسی منصب پر فائز شخصیت کے خلاف مقدمہ دائر کرنا پاکستان میں کتنا مشکل اور کتنے مالی وسائل کا تقاضا کرتا ہے لیکن چلئے اس کو تھوڑی دیر کے لئے کوتاہی سمجھ لیا جائے تو بھی سپریم کورٹ جو اللہ کے فضل سے اتنی زیرک اور چابکدست ہے کہ اشیائے خورد و نوش کے نرخ میں اضافہ ہو جائے تو سوموٹو ایکشن لے لیتی ہے تعجب ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کے صریح اقدامات کے باوجود نہ عدالت نے سوموٹو ایکشن لیا اور نہ ہی وزارت قانون نے خود مقدمہ درج کروایا، حالانکہ آئینی دفعات کے تحفظ کی ذمہ داری تو حکومت کی ہوتی ہے۔ اگر یہ ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والے، مسجدوں میں جلسے کرنے والے، سڑکوں پر ریلیاں نکالنے والے لاکھوں کو شامل تفتیش کیا جائے تو کیا یہ ضروری نہیں کہ صدر، وزیر اعظم، شیری رحمٰن، وزارتوں، اسمبلیوں اور عدالتوں میں بیٹھے ہوئے تمام افراد شامل تفتیش کر لئے جائیں کہ گستاخ گورنر چلو اس پر تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ گستاخی کا محض الزام تھا مقدمہ قائم کرنے میں کیوں سستی کی گئی۔۔۔ جہاں تک ممتاز حسین قادری کا تعلق ہے اس کے ساتھ ہمارے تعلق کی بنیاد محض دین اسلام کا رشتہ ہے۔ دنیوی اعتبار سے تو ممتاز حسین قادری ہماری نسبت گورنر سے زیادہ قریب تھا۔ جیسے روشنی کو مٹھی میں بند نہیں کیا جا سکتا ایمان کو زنجیریں نہیں پہنائی جا سکتیں۔ ممتاز حسین قادری نے جو کچھ کیا اس پر ہم اگر جذباتی نہ بھی ہوں تو رحمان ملک نے جو کہا کہ میرے سامنے بھی اگر کوئی حضور ﷺ کی گستاخی کرے میں بھی اسے گولی مار دوں گا۔ تو جناب! رحمان ملک صاحب کا تو ممتاز حسین قادری سے کوئی تعلق نہیں۔ کچہریوں میں ممتاز حسین قادری کو چومنے والے سینکڑوں وکلاء علمائے اہل سنت کے فتوے پر تو اسے چوم نہیں رہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ جس ملک میں قانون کو ویران کرنے کی کوشش کی جائے، قادری ایسے لوگ خود بخود مختلف اقدامات کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

باقی رہا نماز جنازہ پڑھنا اس معاملے میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں جنازے مسلمانوں کے پڑھے جاتے ہیں، جنازے اللہ کو ماننے والوں کے پڑھے جاتے ہیں، جنازے رسول معظم ﷺ کو رسول جان کر ان کی عزت کرنے والوں کے پڑھے جاتے ہیں، جنازے اسلام پر دل و جان سے یقین رکھنے والوں کے پڑھے جاتے ہیں، بلاشبہ گناہ گار لوگوں کو بھی جنازوں کے بغیر پھینک نہیں دیا جاتا، لیکن وہ اپنی سرکشیوں پر ڈٹے نہیں اللہ توبہ کرتے رہتے ہیں۔

نماز جنازہ تو دعا ہے، مومن کا اعزاز ہے مسلمان کے لیے تقریب وداع ہے جس میں اللہ کی کبریائی کا اظہار ہوتا ہے اور امام کے سامنے پڑی مسلمان کی میت کی آخر ہوتی ہے کہ مسلمان اسے دعائے مغفرت سے الوداع کرتے ہیں۔ جنازے کی نماز میں حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ درود و سلام تو عاشقوں کا وظیفہ محبت ہے۔ قرآن حکیم میں درود والی آیت کے معاً بعد حضور ﷺ کو دکھ دینے والوں کو لعنتی کہا گیا ہے۔ سو اصحاب لعنت پر نماز جنازہ کی خوشبوئیں کیسے چھڑکی جا سکتی ہیں۔ اے کاش! جتنے سلمان تاثیر کے چاہنے والے ان کی نماز جنازہ کے لیے تڑپ رہے ہیں وہ خود بھی اس وقت کو یاد رکھ لیتے۔ تاثیر نے تو پنجاب یونیورسٹی میں توہین رسالت کے قانون پر اظہار ضد کرتے

ہونے ایک طالب علم جس نے آیت پڑھی تھی انا کفیناک المستھزئین "مذاق کرنے والوں کے لئے ہم کافی ہیں" بڑے تکبر سے کہہ دیا تھا کہ میں مانتا ہوں وہی کافی ہے۔ ہمیں قانون توہین بنانے کی کیا ضرورت ہے پھر اللہ نے تاثیر کو بتا دیا کہ وہ کافی ہے۔

ایک بات ضروری سمجھتا ہوں کہ علماء کو منظور ہو گا عدالت ممتاز حسین قادری کو بیل آؤٹ کر کے سلیمان تاثیر کے گستاخانہ لفظوں کا جائزہ لے کہ وہ توہین رسالت بنتی ہے یا نہیں۔ اگر سلیمان تاثیر مجرم ثابت ہو جائے تو جنہوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ وہ سب توبہ کریں کہ گستاخ رسول کے ساتھ یہ عقیدت کیسی؟ اور یہ بھی کہ ممتاز حسین قادری کو بری کر دیا جائے یقیناً عدالتوں کے جج جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی پسند کدو کے مقابلے میں کدو کو پسند نہ کرنے والے کو امام ابو یوسف نے کافر اور مرتد قرار دیا تھا۔ علماء کے نزدیک سلیمان تاثیر کا مجرم ہونا بھی مسلمہ ہے۔

یہ بھی کہہ دوں کہ فتویٰ تلوار نہیں لڑائی نہیں، جھگڑا نہیں کسی کی حقوق تلفی نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے صادر ہونے والے احکام اور ہدایات کی ترسیل کا دوسرا نام ہے۔ فتویٰ نسل انسانی کو الوہی ہدایات کے معاملے میں احتیاط سکھانے کا منہاج قویم ہے۔ فتویٰ کتاب وسنت کو معیار زندگی قرار دینے کی جرأت ہے۔ صاحب فتویٰ دراصل عظمتوں کے ہالہ پر فائز ہوتا ہے اس کے لئے مشکل ہوتا ہے کہ وہ رسول پیوستگی کے مقام محمود کو چھوڑ کر قعر مذلت میں جا گرے۔ فتویٰ چھری نہیں، چاقو نہیں، بندوق نہیں اور دھماکہ خیز مواد بھی نہیں لیکن علم و دانش اور عقل و بصیرت روایت و درایت اور آیات و احادیث کے تاریخی ریکارڈ کے ساتھ حق وحقیقت سے ملتحق رہنے کا نام فتویٰ ہے۔ جماعت اہل سنت پاکستان کے پانچ سو مفتیان کرام صرف عدد بیانی ہے وگرنہ ہزاروں ائمہ اور مفتیان متین رسول کریم ﷺ کے گستاخ کے بارے میں نرمی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ رہ گئے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے بعض بلکیے تو ان سب کا معاملہ ہم اللہ پر چھوڑتے ہیں اور قارئین کو رسول کریم ﷺ کے ناموس کے معاملے میں اللہ یاد کرانے کے لئے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اللہ کی کتاب میں ایک سورت سورہ لہب نام کی بھی اتری ہے جو ہمیں سکھاتی ہے کہ وہ رشتہ داریاں اور تعلق جن میں ایمان وعقیدہ نہ ہو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مردان خدا ہمیشہ منحرف، جبار اور سرکش لوگوں کی بدتمیزیوں کے خلاف برسر پیکار رہتے ہیں کیوں نہ وہ لوگ ان کے رشتہ دار ہی ہوں۔ سورہ لہب اعلان کرتی ہے: ابولہب کے ہاتھ توڑ دیئے گئے ہیں۔ کفر، گستاخی اور بدی دریا کی جھاگ کی طرح ابھرتے ہیں لیکن ان کا منطقی انجام قعر مذلت ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ حصہ ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ گستاخوں کے ساتھ مداہنت برتنے کی تمام رسیاں کاٹ دی گئی ہیں۔

سورہ لہب گستاخ رسول ﷺ کے لئے ایک سنگین تعزیر بھی ہے اور عشق رسول ﷺ رکھنے والوں کے لئے درود وسلام کا ایک آہنگ بھی۔ آؤ سورہ لہب پڑھ کر اس بات کا اظہار کریں کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں کی جانے والی تمام گستاخیاں، بے باکیاں اور بدتمیزیاں قعر مذلت میں پھینک دی گئی ہیں۔ اب ہم قرآن مجید کا یہ اعلان سمع واطاعت کے جذبے سے سنتے ہیں کیوں نہ کوئی ملت فروش، چشم پوش اور شیدائے ناؤنوش اس کو برا جانے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۚ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ ہلاک ہو ہی گیا۔ اسے اس کا مال کچھ کام نہ آیا اور نہ ہی وہ جو اس نے کمایا وہ جلد ہی اس آگ میں جا ملے گا جس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اس کی وہ بیوی بھی جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے۔ اس کے گلے میں کھجور کی چھال کی رسی ہے۔

اے میرے اللہ!

تو نے جیسے ابولہب کو گستاخیوں کی وجہ سے بھڑکتی آگ میں جھونکا آج بھی ہر رشدی ملعون کے لئے آگ کے شعلے

بکڑ کا وہ قوم جو تیرے نبی کے خاکے بنا کر تیری قدرت کا مذاق اڑائے
اس پر آگ برسا
شعلے بپا کر
انہیں دوزخ کا ایندھن بنا۔۔۔۔۔۔!

یا
عشاق کے بازوؤں میں توانائی پیدا کر
کہ
وہ گندی قوم کا احتساب خود کرسکیں

ہمارے رب!
تو نے ام جمیل کی گندی گردن میں رسے ڈالے
تیرے جلال کا تجھے عظیم واسطہ
ہر تسلیمہ نسرین کی گردن میں بٹے ہوئے رسے ڈال
مسلمانوں کو شعور عطا فرما

کہ
وہ سمجھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔
وہ جانیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ان کا عقیدہ ہو۔۔۔۔۔۔۔
محکم ایمان
مضبوط نظریہ
ناقابل شکست تصدیق
آبروئے ما ز نام مصطفٰے است

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اندازِ بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۂ بروج کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ﴿٢﴾
وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ﴿٣﴾ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ﴿٤﴾
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ﴿٥﴾ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ﴿٦﴾ وَهُمْ
عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ﴿٧﴾ وَمَا نَقَمُوا
مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٨﴾
الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ
عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ
رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَ
هُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾
فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾
فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي
تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ
قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

قسم ہے برجوں والے آسمان کی (۱) اور وعدہ کیے گئے دن کی (۲) اور گواہ کی اور جس کی گواہی دی گئی (۳) مارے گئے کھائیوں والے (۴) جن میں آگ تھی ایندھن والی (۵) جب وہ لوگ آگ پر بیٹھے تھے (۶) اور وہ دیکھ رہے تھے جو کچھ وہ مومنین کے ساتھ کر رہے تھے (۷) مومنوں کا انہیں کیا بُرا لگا سوا اس کے کہ وہ ایمان لائے اللہ پر جو عزت والا اور خوبیوں والا ہے (۸) اُسی اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے (۹) بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں پر تشدد کیا پھر توبہ نہ کی تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے (۱۰) یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اُن کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے ندیاں رواں دواں ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (۱۱) بے شک تیرے ربّ کی گرفت بہت سخت ہے (۱۲) بیشک وہی ہے جو ابتدا کرتا ہے اور وہی ہے جو دوبارہ پلٹاتا ہے (۱۳) اور وہی ہے بخشنے والا دوست رکھنے والا (۱۴) عرش مجید کا مالک (۱۵) کر لینے والا جس کا ارادہ کرے (۱۶) کیا لشکروں کی بات آپ تک پہنچی ہے؟ (۱۷) فرعون اور ثمود کے لشکر (۱۸) بلکہ وہ جنہوں نے کفر کیا حق کی تکذیب میں رہتے ہیں (۱۹) اور اللہ ان کے پیچھے سے احاطہ کرنے والا ہے (۲۰) بلکہ وہ عزت والا قرآن ہے (۲۱) لوح محفوظ میں ہے (۲۲)

سورہ بروج صاحب دعوت و استقامت رسول کے سینہ پر مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ یہ ایک رکوع اور بائیس آیات پر مشتمل ہے۔ خطیب نے لکھا کہ اس کے ایک سو نو کلمات ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا مبارک شعار تھا کہ آپ عشاء کی نماز میں سورہ بروج اور سورہ طارق تلاوت فرماتے تھے۔ نماز ظہر اور عصر میں بھی حضور ﷺ سے ان دو سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز میں سموات پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

سورہ بروج کا اصل عنوان ایمان اور ایمان کی راہوں پر استقامت ہے۔ یہ سورت قاریٔ قرآن کو ایمان کا فہم دیتی ہے، پھر ایمان کو تکوینی دنیا کے ساتھ مربوط کر کے تربیت کا ایسا مواد فراہم کرتی ہے کہ قرآن پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس کے دل اور روح میں عالم حقیقت کی طرف دریچے وا ہو رہے ہیں۔ سورت کی ہر آیت عزیز اور حمید ذات کے ساتھ شعور کو جوڑ دیتی ہے۔ اس موقع پر عظمت الٰہیہ کا تصور قاری قرآن کے ذہن پر چھا جاتا ہے۔ صفات باری پر اعتقاد کی مدہوش کر دینے والی لذت سورت کے حروف سے پھوٹتی ہے۔

سورت کے سینہ میں ایک قصہ مخفی ہے۔ ایسا قصہ جس کے گرد اگرد روشنی کی تیز شعاعیں موجود ہیں۔ قصہ کا پورا وجود اگرچہ نظر نہیں آتا لیکن اس کی پیشانی کی لکیریں پڑھی جا سکتی ہیں کہ وہ دین مبین پر یقین رکھنے والی مسلمانوں کی ایک جماعت ہے جو باغیوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہے۔ دشمنان خدا ان کو مبتلائے فتنہ و تعذیب کرتے ہیں، یہاں تک کہ کھائیاں کھود کر ان میں آگ جلائی جاتی ہے اور اس جماعت کو نذر آتش کیا جاتا ہے۔ سورہ بروج ان کے کردار کو قاریٔ قرآن کے سامنے رکھ دیتی ہے کہ ایمان والے ایسے بھی ہوتے ہیں۔

سورت کا اگلا حصہ قاریٔ قرآن کو تاریخ کی عمیق وادیوں کی طرف گامزن کر دیتا ہے۔ فرعون، ثمود اور دیگر ظالم قوموں کی چیرہ دستیوں کو قرآن گویا مجسم کر کے اپنے قاری کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اصل میں یہ سب کچھ مومنین کی تسلی اور روحانی تسکین کے لیے بیان ہوتا ہے۔

سورہ بروج کے آخری حصہ میں صفات باری، عظمت وحی اور صداقت قرآن اور ان حقائق کی تحفیظ کی بات کی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بہت بڑے امور ہیں اور ان کے گرد قائم نور اور رحمت کی طاقتیں دور تک پھیلی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

سورہ بروج مسلمانوں کے ہر بچے کو زبانی یاد ہونی چاہیے۔ آسمانوں کے بارہ برجوں کی کہانیاں اہل بیت اطہار کے بارہ اماموں کے کردار کے ساتھ بیان کی جائیں تو دین پر استقامت کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں۔ حضور ﷺ کی حدیث بخاری نے روایت کی ہے۔ راوی سفیان بن عیینہ ہیں کہ میرے بعد بارہ نقیب ہوں گے جن کی وجہ سے دین کو محفوظ کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ①

"قسم ہے برجوں والے آسمان کی"۔

سورہ بروج کا آغاز ایک بڑی اور وقیع قسم سے ہوتا ہے۔ قسم ہے آسمانوں کی جس میں بروج ہیں۔ بروج برج کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ ظاہر اور آشکار ہونا ہوتا ہے۔ عورت کی ظاہر ہونے والی زینت تبرج کہلاتی ہے۔ ابن منظور نے لکھا کہ بلند اور بڑی عمارت کو بھی برج کہہ دیتے ہیں۔ مقبرہ اور محل وغیرہ کو برج کہنے کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ وہ زمین پر الگ تھلگ محسوس ہوتے ہیں (1)۔

ابن کثیر نے کہا کہ بروج سے مراد آسمانی بڑے ستارے ہیں۔ مجاہد نے بروج کی یہ تشریح نقل کی کہ وہ ستارے ہیں جہاں محافظ فرشتے رہتے ہیں (2)۔

ابن عمر بروج کا معنیٰ زینت اور خوبصورتی سے کرتے اور آیت کا معنیٰ یہ کرتے کہ قسم ہے خوبصورت آسمان کی (3)۔

ابن خیثمہ کے نزدیک بروج سے مراد چاند اور سورج کی منزلیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بروج بارہ ہیں۔ سورج ہر برج میں ایک مہینہ رہتا ہے اور چاند ہر برج میں دو مکمل دن اور ایک تہائی دن چلتا ہے۔ اس طرح چاند کی منزلیں اٹھائیس ہیں، اسے دو روز محاق میں گزارنے پڑتے ہیں۔

خطیب شربینی نے بروج کا معنیٰ آسمانی دروازے کیے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بروج ستاروں کی منزلیں ہیں (4)۔

اسماعیل حقی نے صحیح لکھا کہ مہینوں کی تعداد انہی بارہ بروج کی مناسبت سے ہے (5)۔

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ②

"اور وعدہ کیے گئے دن کی"۔

سورہ بروج کی دوسری آیت میں موعود دن کی قسم کی گئی۔ یہ وہی دن ہے جس کی انبیاء اور مرسلین خبر دیتے رہے۔ سینکڑوں قرآنی آیات جس دن کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یقیناً یہ قیامت کا دن ہے جس کا اللہ رب العلمین نے وعدہ فرمایا ہے۔

قسم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت پر دلالت کرتی ہے اور خود بخود اس قسم میں یہ معنیٰ وجود ہو جاتا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جو فیصلہ اور جزا کا دن ہوگا۔ پہلی آیت میں آسمانوں میں بروج کی درجہ بندی کی طرف اشارہ تھا اور اس آیت میں روحوں کے لیے ایمان اور عمل کے مطابق درجات بندی کی طرف اشارہ ہے۔

قسم میں خوف بھی ہے کہ انسان یوم موعود سے ڈرے اور تخویف کے ساتھ ساتھ تسلی اور دلاسہ بھی ہے کہ اللہ کو ماننے والے اور اعمال صالحہ بجا لانے والے مطمئن رہیں۔ اس دن میں جو اللہ نے صالحین سے وعدے کیے ہوئے ہیں وہ ضرور پورے فرمائے گا۔ خلف وعید اس سے ممکن ہی نہیں

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝

''اور گواہ کی اور جس کی گواہی دی گئی''۔

زاد المسیر میں ابن جوزی نے چوبیس اقوال نقل کیے تشریحات کے اضافہ کے ساتھ نقل کیے جاتے ہیں۔ ترتیب مضامین کی تحسین کے لیے ابن جوزی کی ترتیب کو بدل دیا گیا ہے۔

پہلا قول:

شاہد سے مراد حضور انور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا:

یایھا النبی انا ارسلنک شاھد

''اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا''۔

ضحاک اور مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی قول نقل کیا ہے۔

مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ مجاہد سے لیث کی روایت یہی ہے اور عکرمہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے(6)۔

قیامت کے دن کا مشہود ہونا اس لیے ہے کہ سب لوگ اس میں جمع ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ (ہود:103)

دوسرا قول:

حضرت ابن عمر ﷺ کے نزدیک شاہد سے مراد جمعۃ المبارک ہے اور مشہود سے مراد یوم النحر ہے(7)۔

اسلام میں جمعہ کے دن کی ایک خاص اہمیت ہے۔ یہ عبادت کے لیے خاص ہے۔ مسلمان شروع دن ہی سے اس دن کا احترام کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اسے سید الایام قرار دیا۔ پاکستان میں اس دن عبادت کے لیے چھٹی کرنے کا اعزاز ذوالفقار علی بھٹو کے حصہ میں آیا اور نور رحمت کی ان ساعتوں میں مسلمانوں کو دین سے دنیا کی طرف لانے اور چھٹی ختم کرنے کی ظلمت محمد نواز شریف کے حصے میں آئی۔ سعادتوں کی تقسیم تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

تیسرا قول:

شاہد سے مراد راتیں اور دن ہیں اور مشہود سے مراد اولاد آدم جس کے اعمال کی وہ گواہی دیں گے۔

امام زین العابدین صبح اور شام یہ دعا فرماتے:(8)

ھذا یوم حادث جدید وھو علینا شاھد عتید۔ ان احسنا ودعنا بحمد وان اسانا فارقنا بذنب

''یہ نیا اور تازہ دن ہے جو ہمارے اعمال پر شاہد ہے۔ اگر ہم نیکی کریں تو یہ ہمیں واہ واہ کے ساتھ الوداع کرے گا اور اگر برائی کریں تو مذمت کرتا ہوا ہم سے جدا ہوگا''۔

چوتھا قول:

شاہد سے مراد عام انسان ہے اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ انسان کا شاہد ہونا ''قالوا بلیٰ شھدنا'' سے مستفاد ہے۔

پانچواں قول:

حضرت سعید ابن جبیر ﷺ فرماتے تھے کہ شاہد خود اللہ تعالیٰ ہے اور مشہود بنی آدم ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے بھی لکھا کہ شاہد خود اللہ تعالیٰ ہے البتہ مشہود سے مراد وہ قیامت کا دن لیتے تھے۔

چھٹا قول:

حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے آٹھ ذوالحجہ کا دن شاہد ہے اور یوم عرفہ یعنی نو ذوالحجہ مشہود ہے۔

ساتواں قول:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے تھے شاہد قیامت ہے اور مشہود لوگ ہیں۔

آٹھواں قول:

حضرت حسن بصری ؒ فرماتے تھے جمعۃ المبارک شاہد ہے اور قیامت کا دن مشہود ہے۔

نواں قول:

حضرت عطا بن یسار کا قول ہے کہ شاہد آدم اور ذریت آدم ہے اور مشہود قیامت کا دن ہے۔

دسواں قول:

محمد بن کعب فرماتے تھے شاہد انسان ہے جبکہ مشہود خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

گیارہواں قول:

ابراہیم نخعی کہتے تھے شاہد یوم النحر ہے اور مشہود یوم عرفہ ہے۔

بارہواں قول:

امام فخر الدین رازی نے ابو مالک کے حوالے سے شاہد اور مشہود کی یہ تفسیر نقل کی کہ شاہد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مشہود ان کی امت ہے۔

تیرہواں قول:

عبدالعزیز بن یحییٰ فرماتے ہے کہ شاہد محمد ﷺ ہیں اور مشہود آپ ﷺ کی اُمت ہے۔

چودہواں قول:

حجر اسود شاہد ہے اور حج کرنے والے تمام کے تمام مشہود ہیں۔

پندرہواں قول:

محمد بن علی ترمذی فرماتے تھے کہ شاہد حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں اور مشہود بنو آدم ہیں۔

سولہواں قول:

حسین بن فضل فرماتے تھے کہ شاہد حضور ﷺ کی امت ہے اور مشہود دوسرے تمام لوگ ہیں۔

سترہواں قول:

علی بن عبید سے حکایت ہے کہ شاہد تمام انبیا ہیں اور مشہود ان کی امتیں ہیں۔

اٹھارہواں قول:

شاہد سے مراد فرشتے ہیں اور مشہود سے مراد قرآن حکیم ہے۔

انیسواں قول:

شاہد حضرت محمد ﷺ اور مشہود قرآن حکیم ہے۔

بیسواں قول:

شاہد قرآن حکیم ہے اور مشہود امت مصطفویہ ہے۔

اکیسواں قول:

شاہد حضرت محمد ﷺ اور مشہود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔

بائیسواں قول:

شاہد حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور مشہود حضرت محمد ﷺ۔

تیئسواں قول:

شاہد سے مراد انسانی اعمال کے گواہ ہیں مثلاً ان کے جسم کے اعضاء وغیرہ اور مشہود سے مراد خود انسانی اعمال ہیں۔

چوبیسواں قول:

شاہد سے مراد کائنات کی ہر چیز ہے اور مشہود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

پچیسواں قول:

شاہد تمام انبیا اور مرسلین ہیں اور مشہود اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی ذات اطہر ہے۔

چھبیسواں قول:

شاہد ہر وہ جس کا حساب لیا جائے گا اور مشہود وہ عجائب جن کا وقوع قیامت کے دن ہوگا۔

ستائیسواں قول:

شاہد الحق ہے اور مشہود الکون ہے یہ قول حضرت جنید کا ہے۔

اٹھائیسواں قول:

شاہد خلق ہے اور مشہود حق ہے (9)۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ

"مارے گئے کھائیوں والے۔ جن میں آگ تھی ایندھن والی"۔

قرآن مجید نے سب سے پہلے چند قسموں کے ساتھ عقیدہ سازی کی۔ جس نے برجوں والا بڑا آسمان بنایا ہے وہ بڑی قوت والا ہے۔ اس نے فیصلے اور جزا کا دن رکھا ہوا ہے۔ کوئی ظالم اترائے نہ کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ جانے والا ہے اور کوئی مظلوم مایوس نہ ہو کہ اس کی دادرسی نہ ہوگی، پھر شاہد اور مشہود کی قسم کی۔ اس جملے کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہر چیز کا صحیح علم سامنے آجانے والا ہے۔ ان بنیادی عظیم تر حقائق سے ایک واقعہ کے چند اجزا پر روشنی ڈالی گئی اور اس واقعہ سے عقیدہ کو ابھارا گیا ہے کہ ایک طرف خندق ہے اور اس میں آگ کے تیز اور بلند شعلے ہیں تو دوسری طرف چند حق پرست لوگ ہیں جنہیں آگ میں جھونکا جاتا ہے لیکن ایمان کی چمک انہیں اتنا منور کر دیتی ہے کہ انہیں اپنی موت کی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایمان اور عقیدہ ہر چیز پر حاوی ہے اسے کسی بادشاہ کی سلطنت اپنی طاقت سے شکست نہیں دے سکتی اور کوئی نفسیاتی حربہ عقیدہ کو دبا نہیں سکتا۔ قدیم تماشا خندق والے ہیں اور تازہ تجلی ملک عرب کے احوال ہیں شیخ نجد کے غلاموں نے جو مظالم اہل سنت پر روا رکھے۔ صحابہ اور اہل بیت کی قبریں مسمار کی گئیں، سر قلم کیے، اہل حق کو پس زنداں ڈالا گیا، ہاتھ کاٹے گئے اور آنکھیں نکالی گئیں اور حرمین شریفین میں جو سلوک اہل دین سے کیا گیا الاماں والحفیظ۔ قرآن مجید کہتا ہے ایمان اور عقیدہ دبایا نہیں جا سکتا۔

اخدود سے مراد کیا ہے؟

لسان العرب میں ابن منظور نے لکھا کہ زمین میں پڑ جانے والا وہ شگاف جو وسیع اور عمیق ہو "خـدّ" کہلاتا ہے (10)۔ اردو زبان میں خندق انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ انسانوں کے رخسار کو بھی خد کہتے ہیں اس لیے کہ ناک کے دونوں طرف چہرہ میں دھنسی ہوئی جگہ ہونے کے لحاظ سے یہ خد کہلاتی ہے۔

اصحاب الاخدود سے مراد کون لوگ ہیں؟

اس کا جواب ارباب تاریخ نے مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ سب سے زیادہ مشہور عربی روایت ذونواس بادشاہ کے بارے میں آتی ہے۔ یہ شخص قبیلہ حمیر کا رئیس تھا۔ یہ شخص یہودی ہو گیا تھا اور نام بھی تبدیل کر کے اس نے یوسف رکھ لیا تھا۔ اسے نجران کے علاقہ میں عیسائیت کے فروغ کا بڑا قلق تھا۔ یہ ذہن میں رہے کہ اس وقت کا حق دین عیسائیت ہی تھا۔ حمیری بادشاہ نے اہل نجران کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے دین یہود رکھا لیکن وہ لوگ یہودیت کو قبول کرنے سے منکر ہو گئے اور راہ حق میں موت قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ذونواس کے حکم پر خندق کھودی گئی اور اس میں آگ کے الاؤ روشن کیے گئے۔ ایک گروہ کو حمیری امیر نے زندہ جلا دیا اور دوسروں کو تہ تیغ کر دیا۔

علامہ آلوسی نے روح المعانی کے اندر لکھا۔ نجران سے کچھ لوگ بچ بچا کر حبشہ جا پہنچے اور نجاشی سے دادخواہی کی۔ شاہ حبش نے ایک بہت بڑا لشکر یمن کی طرف بھیجا۔ دونوں فوجوں کی آپس میں جنگ ہوئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ذونواس ذلیل ہوا اور اس طرح نجران حبشہ کی قلمرو کا حصہ بن گیا (11)۔

ایک دوسرا واقعہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ ایک بادشاہ تھا۔ اس نے ایک جادوگر رکھا ہوا تھا۔ اس نے بڑھاپے میں بادشاہ سے درخواست کی کوئی ایسا لڑکا مامور کر دے جو مجھ سے یہ علم سیکھ لے۔ وہ لڑکا ساحر سے علم سیکھنے کے لیے آنے جانے

لگا۔ راستے میں اس کی ملاقات ایک عیسائیوں کے مذہبی رہنما سے ہو گئی وہ اس کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا۔ یہاں تک کہ مسلسل عمل سے صاحب کرامت ہو گیا اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا۔ بادشاہ کو جب اس لڑکے کے بارے میں علم ہوا کہ وہ ایمان لے آیا ہے تو اس نے پہلے راہب کو قتل کیا پھر اس لڑکے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن قتل کرنے کے لیے کوئی حربہ کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار لڑکے نے خود ترکیب بتائی کہ اگر تو مجھے قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو ایک مجمع اکٹھا کر اور یہ کہہ کے مجھے تیر مار کہ اس لڑکے کے رب کے نام پر میں اسے تیر مارتا ہوں، چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ بچہ تو شہید ہو گیا لیکن دیکھنے والے سارے ایمان لے آئے۔ بادشاہ کے ساتھیوں نے بادشاہ کو طعنہ دیا تو ایک کو ایمان سے منع کرتا تھا یہ تو دیکھنے والے سب مؤمن ہو گئے۔ بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے آتشی خندقیں تیار کیں اور جو جو ایمان لایا تھا انہیں آگ والی خندقوں میں پھنکوا دیا(12)۔

اسی طرح کا ایک تیسرا واقعہ حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ ایران کے ایک بادشاہ نے شراب پی کر اپنی بہن سے بدکاری کی، جب راز کھل گیا تو اس نے کہا کہ خدا نے بہن کو بھائی کے لیے حلال کر دیا ہے تو لوگوں نے اس بات کو قبول نہ کیا تو اس نے ان صاحب کردار لوگوں کو طرح طرح کے عذاب دیے یہاں تک کہ انہیں آتشی خندقوں میں پھنکوا دیا(13)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت موجود ہے۔ اس واقعہ کا تعلق دین موسوی پر استقامت کے ساتھ ہے۔ بابل والوں نے انہیں دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ لوگ استقامت سے جمے رہے۔ اس پر انہوں نے خندقوں میں آگ جلا کر انہیں نذر آتش کر دیا(14)۔

زیر تفسیر آیتوں میں خندقیں قائم کرنے والوں کے لیے اظہار غضب ہے کہ موت آئے ان لوگوں پر جنہوں نے ایمان والوں پر تشدد کیا۔ انداز اور اسلوب اگرچہ بددعا کا ہے لیکن یہ وہ جملہ نہیں جو بے بسی کے ساتھ زبان سے صادر ہوتا ہے۔ رازی اور ابن عاشور نے لکھا کہ جالالت مآب گرفت ہے اور اظہار ناراضگی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے(15)۔

اگلی آیتوں میں آگ کا ذکر ہے اور اسے ذات الوقود کہا گیا ہے۔ یہ اسلوب آگ بھڑکانے والے مواد کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝

''جب وہ لوگ آگ پر بیٹھے تھے''۔

آگ پر بیٹھنے والے لوگ کون تھے۔

امام فخر الدین رازی نے پہلا احتمال یہی لکھا کہ یہ وہ لوگ تھے جو انتہائی سردمہری سے بیٹھے ہوئے تھے اور اہل ایمان پر تشدد کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کچھ مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ بیٹھنے والوں سے مراد خود اذیت دینے والے لوگ ہیں اور یہ احتمال بھی نقل کیا گیا کہ یہ لوگ جرم قتل کے اصل سرغنے تھے جن کی نگرانی میں اہل ایمان کو نذر آتش کیا گیا۔ راوی کی یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ سب لوگ آگ کے کنارے بٹھا دیے گئے تھے، جو ایمان پر استقامت کرتا اسے آگ میں پھینک دیا جاتا اور جو ایمان سے برگشتہ ہو جاتا اسے بیٹھا رہنے دیا جاتا۔ قرآن حکیم نے ایسا جملہ استعمال کیا جس میں عائد ضمیروں کے مراجع میں امکانات کثیرہ مفہومات کثیرہ پر مستدل ہوئے۔ تیسرا احتمال رازی نے یہ بھی لکھا۔ بیٹھنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تشدد کرنے کے لیے آگ پر بٹھا دیا گیا۔ رازی کی نکتہ سنجیاں دلچسپیاں رکھتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں آیت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ مومنین کو آگ میں پھینکنے والے دراصل خود بھی آگ پر بیٹھے تھے لیکن انہیں دوزخ کی آگ نظر نہیں آ رہی تھی(16)۔

وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝

''اور وہ دیکھ رہے تھے جو کچھ وہ مومنین کے ساتھ کر رہے تھے''۔

شہود کا ایک معنیٰ حاضر ہونا ہوتا ہے، یعنی جس وقت مومنوں کو وہ آتشی خندق میں تشدد کا شکار بنا رہے تھے، ظالم حکمران اس وقت پاس حاضر اور موجود تھے اور سب کچھ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ قرآن مجید کا یہ بیان ان لوگوں کی قساوت قلبی کا پردہ چاک کر رہا ہے۔ قابل نفرت اقدام کے وقت قساوت قلبی سے سب کچھ آنکھوں سے دیکھنا انسانیت سے عاری ہونے کی دلیل ہے۔ شاید اس کی یہ وجہ بھی ہو کہ ان کے اعتقاد میں مومنین سزا کے وقت دہشت زدہ ہو کر انہیں مدد کے لیے پکاریں اور ایمان کی راہیں ترک کر دیں لیکن اہل ایمان نے ان کی طرف توجہ ہی نہ کی اور ہمت و استقامت سے جام شہادت نوش کر لیا لیکن پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔

شہود کا دوسرا معنیٰ گواہی ہے مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے کیے پر حاکموں کے سامنے گواہی دینے لگے کہ انہوں نے حکم پر عمل میں کوئی کوتاہی نہیں کی یا پھر اس گواہی سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے اہل ایمان کے ساتھ کیا قیامت کے دن وہ گواہی چھپا نہیں سکیں گے۔ یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ گواہوں کی طرح معاملہ کو باریک بینی سے دیکھتے رہے مومنین کو آگ میں جلا دیا گیا لیکن دیکھنے کے باوجود ان کے دل

میں رافت پیدا نہیں ہوئی۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾

''مومنوں کا انہیں کیا برا لگا سوا اس کے کہ وہ ایمان لائے اللہ پر جو عزت والا اور خوبیوں والا ہے''۔

نقموا، نقم سے ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ کسی پر عیب لگانا یا کسی چیز سے انکار کرنا ہوتا ہے۔ عربی محاورہ میں اس کا مطلب کسی پر صرف زبان سے عیب لگا دینا یا پھر اس کو سزا دینا مراد ہوتے ہیں۔ انتقام لفظ اسی سے ہے۔ جہاں جہاں اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے اس کا مطلب سزا دینا ہی ہوتا ہے۔ آیت جن مظلومین کی حمایت میں لائی گئی ہے۔ آیت ان کے ظالم دشمنوں کی پست ذہنیت کی بھی عکاس ہے۔ اس لیے کہ وہ کتنے بدبخت لوگ تھے کہ اہل ایمان کے ایمان کو جرم تصور کر رہے تھے اور کسی کو قتل کر دینا نام آوری کا ذریعہ سمجھا کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے صاف طور پر کہہ دیا کہ یہ پست ذہنیت لوگ اہل ایمان سے انتقام نہیں لے رہے تھے مگر اس بات کا کہ وہ ایمان لائے تھے۔ اللہ عزیز حمید پر اللہ اسم ذات ہے اور عزیز کا معنیٰ ہوتا ہے غالب، طاقت والا اور قوت والا جو کسی سے شکست نہ کھائے اور حمید کا معنیٰ ہے جس کی کثرت کے ساتھ حمد ہو تعریف ہو، حمید وہی ہوگا جو ہر قسم کے کمال کا حامل ہو، کسی شاعر نے اہل بیت اطہار کے لیے کہا:

ما نقموا من اهل بيت الا

انهم يحلمون ان غضبوا

''یہ لوگ اہل بیت سے انتقام نہیں لیتے مگر اس بات کا کہ

جب ان پر غضب ہو، اہل بیت بردباری کا مظاہرہ کرتے ہیں''۔

ابن رقیات نے تھوڑی ترمیم کے ساتھ اسی شعر کو بنوامیہ کے لیے گھڑ دیا اور کہا:

ما نقموا من ابنى اميه الا

اگلا مصرع اسی طرح لکھ دیا۔

ابن الرقیات سمجھ نہ سکا کہ بنوامیہ کی بردباری کے غبارے سے جس طرح کربلا میں ہوا نکلی وہ تاریخ کے ادنیٰ طالب علم کو بھی معلوم ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور سے لے کر آخر دور تک ذلتوں اور ظلمتوں کا ایک سیاہ کردار ہے جو ''بنوامیہ'' کا مقدر رہا۔

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾ۭ

''اسی اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے''۔

اگر پچھلی آیت کو اس آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو صفات باری، عظمت الٰہیہ اور تقدیس باری کی پانچ جہتیں سامنے آتی ہیں:

اللہ، اللہ ہے وہ اپنی ذات ہی میں جلالت مآب ہے، کوئی نہ تھا پھر بھی وہ اللہ تھا اگر کوئی بھی نہ ہو تو بھی وہ قادر و قیوم اللہ ہے۔ کسی کا نہ ماننا اس کی کمزوری کی علامت نہیں۔ وہ اللہ اگر کسی کو ڈھیل دے تو اس کی شفقت و مہربانی ہے۔

دوسری صفت تھی وہ غالب ہے، قوت والا ہے، جو لوگ آج زیادتیاں کرتے ہیں انہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ خود اللہ کی گرفت میں ہوں گے۔

تیسری صفت لائی گئی وہ حمید ہے ہر کمال، ہر خوبی ہر توصیف، ہر تعریف اور ہر اچھائی کا اسی کو سزاوار ہے۔

چوتھی صفت لائی گئی آسمانوں اور زمینوں کا مالک وہی ہے۔

پانچویں صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ جرائم پیشہ لوگ خیرہ نہ ہوں دارالامتحان میں صرف انہیں مہلت ہے عنقریب وہ تلخ عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ۭ

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں پر تشدد کیا پھر توبہ نہ کی تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے''۔

گزشتہ آیات میں ایک دل دوز کہانی، عبرت ناک واقعہ اور ایمان ساز داستان کا حوالہ دیا گیا۔ اصحاب عزیمت مسلمانوں کے جذبہ استقامت کو مدحیہ انداز میں بیان کیا گیا۔ تشدد کرنے والوں کی شدید مذمت کی گئی۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ زیادتی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ حوادث اور افعال کی کہانی دنیا ہی میں ختم ہو جائے گی اللہ نے ایک دارالجزا قائم کر رکھا ہے جہاں سزائیں اور انعامات ہیں اور عدل و عطا کا نظام ہوگا۔

فتنوا "فتن" سے ماخوذ ہے جس کا معنی سونے کو پرکھنے کے لیے آگ میں ڈالنا ہوتا ہے۔ اس کے مجازی استعمالات سزا، عذاب، عتاب اور آزمائش کے معنوں میں لائے جاتے ہیں۔ زیر تفسیر آیت میں معنی و مفہوم کی نظیر قرآن حکیم کی اس آیت میں بھی ملتی ہے۔

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾

اُس دن جب انہیں آگ پر تپایا جائے گا (۱۳) چکھو اپنے حصے کی سزا، یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم جلدی مچاتے تھے (۱۴)

آیت میں "عذاب الحریق" کا لفظ خندق والوں کی نسبت سے نظر آتا ہے کہ مومنوں اور مومنات کو جلانے والے سزا سے بچ نہیں سکتے۔ آیت میں مومنات کا لفظ اس مفہوم کا مباشر ہے کہ ایمان کی راہوں میں جن لوگوں کو خندقوں میں آگ کے اندر ڈالا گیا تھا وہ صرف مرد ہی نہیں تھے اس قافلہ میں مومن عورتیں بھی شامل تھیں۔

آیت کا نزولی پس منظر اس حقیقت کو بھی بے نقاب کرتا ہے جب یہ آیات نازل ہوئیں مکہ کے اندر مسلمان کڑی آزمائش سے دوچار تھے۔ مشکلات اور مصائب نے انہیں پیسنا شروع کر رکھا تھا۔ قرآن مجید کا یہ حصہ مسلمانوں کے لیے باعث اطمینان ثابت ہوا کہ ان پر تشدد کرنے والے خدائی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ ان آیات میں عذاب کی دھمکی ہے لیکن رحمت کا ایک باب کھلا چھوڑا گیا ہے، وہ توبہ کرنا اور کافرانہ رویہ کو ترک کر کے مومنانہ زندگی اختیار کرنا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿١١﴾ۭ

"یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے ندیاں رواں دواں ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے"۔

اہل ایمان اور اچھے اعمال بجالانے والوں کو صرف جنت نہیں کئی جنتوں کی بشارت دی گئی۔

مفسرین کے نزدیک یہاں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں ایمان والوں سے مراد عام مومنین ہیں جنہیں عظیم کامیابیوں سے ہمکنار ہونے کا مژدہ سنایا گیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں وہ مومن مراد ہیں جنہیں راہ حق میں ستایا گیا اور انہوں نے ہر ایذا اپنے محبوب کو خوش کرنے کے لیے برداشت کی (18)۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس سے پہلی آیت میں جب منکرین کی سزا بیان ہوئی تو فلهم میں "فا" جزائیہ لایا گیا لیکن مومنوں کا اجر جب بیان ہوا تو "فا" جزائیہ اختیار نہ کی گئی۔ آپ نے اس کا جواب یہ دیا کہ آخرت کا ثواب محض اللہ کا فضل ہے جو عمل پر موقوف نہیں جیسے نابالغ لڑکا یا بالغ مجنون یہ آخرت میں بغیر عمل کے سزا سے بچ جائیں گے جبکہ دوزخ کا عذاب فسق اور کفر کی وجہ سے ہی ہوگا۔ ایک فضل کا نتیجہ ہوگا اور دوسرا عدل کا تو جہاں قانون عدل بیان ہوا وہاں "فـــــا" جزائیہ لائی گئی اور جہاں محض فضل اور انعام کا ذکر ہوا وہاں "فا" جزائیہ نہ لائی گئی (19)۔

جنات کا اطلاق اشجار پر ہو تو نیچے سے نہروں کا جاری ہونا قابل فہم ہے اور بصورت دیگر اگر اس کے ساتھ اشارہ اس زمین کی طرف ہے جس پر درخت ہوں گے تو پھر مراد نہروں کا زمین کے اوپر اور جنتی محلات اور درختوں کے نیچے بہنا مراد ہے (20)۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ جنات کا اہل جنت کو ملنا عظیم کامیابی ہے اور تعجب یہ ہے کہ جنات کی طرف اشارہ ذالک سے کیا گیا حالانکہ تلك سے اشارہ بلیغ ہوتا۔ (21) جواب میں ارشاد فرمایا کہ ذالك سے اشارہ جنت نہیں جنت کی خبر دینا ہے۔ اہل ایمان کے لیے جنت میں اتنی لذت نہیں جتنی مسرت اور خوشی اللہ تعالیٰ کے خبر دینے میں ہے گویا جنت فوز کبیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا فوز اکبر ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جنات کا انعام میں مل جانا ایک طرح خوشی ہے لیکن ان انعامات سے متلذذ ہونا کئی طرح کی خوشیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اصل کامیابی تو حضور ﷺ کے قدموں کے سائے تلے جنت کی خوشیوں سے بہرہ ور ہونا ہے۔

علامہ آلوسی نے جنت میں شرف و قدر میں بلندی اور منزلوں میں علو ذالک "کا" مشار الیہ مانا ہے (22) فوز کو کبیر اس لیے کہا کہ وہ لا زوال ہیں اور منقطع کبھی نہیں ہوں گی (23)۔ واللہ اعلم

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ؕ

"بے شک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے"۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت زبردست اور محکم ہے۔ کوئی فرد، کوئی جماعت اور کوئی طاقت رکھنے والی مخلوق اس کی پکڑ سے باہر نہیں۔ دنیا میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے قانون اور نظام کی گرفت ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قانون عدل کے حرکت میں آنے کی

طرف اشارہ ہے(24)۔

بطش کا لفظ قرآن حکیم میں ظلم اور استبداد کے ساتھ کسی قوم کو مقہور کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ (الشعراء:130) (25)

''اور جب تم کسی کو گرفت میں لو تو جبر سے گرفت میں لیتے ہو''

وہ کمزور لوگ جنہیں ظلم کے ساتھ پکڑا جائے ان کے لیے اس گرفت سے نجات کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ کے قانون عدل کو اپنالیں۔

إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾

''بے شک وہی ہے جو ابتدا کرتا ہے اور وہی ہے جو دوبارہ پلٹاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہی تخلیق کا آغاز کرنے والا ہے اور دوبارہ جب تخلیق کا جامہ پہنایا جائے گا، معید بھی وہی ہوگا۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ کافروں کی دنیا میں ابتدائی گرفت بھی وہی کرتا ہے اور آخرت میں بھی وہی احتساب کے لیے سخت اور شدید گرفت فرمائے گا۔

ایسا بھی سوچا جاسکتا ہے کہ آدم کی جب اس نے تخلیق کی وہ مبدی ٹھہرا اور جب اسی نمونہ پر وہ اولاد آدم کو پیدا کرتا ہے وہ معید ٹھہرا۔ ہر روز اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔ مخلوق میں تخلیق میں تکرار اس کے مبدی اور معید ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

آیت کا سیاق اور سباق یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں انسان کی موجودہ تخلیق کے لحاظ سے وہ مبدی ہے اور آخرت میں جب انسان کی نئی بعثت اور اٹھان ہوگی اس اعتبار سے وہ معید ہوگا۔

قدیم مفسرین کے مطابق ابن زید کہتے تھے کہ مبدی اور معید کا معنیٰ ہے وہ زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ سدی کہتے تھے کہ مبدی کا معنیٰ ہے وہی موت دیتا ہے اور معید کا معنیٰ ہے موت کے بعد زندگی وہی عطا فرمائے گا۔ یحییٰ بن سلام کے نزدیک تخلیق اول بھی اسی نے کی اور دوبارہ زندگی وہی عطا فرمائے گا۔ ابن عباس فرماتے تھے عذاب دیتا بھی وہی ہے اور دوبارہ بھی وہی فرماتا ہے۔ علامہ ماوردی لکھتے ہیں کہ اوامر کی ابتدا اسی سے ہوئی اس لیے وہ مبدی ہے اور جزا، عتاب اسی سے ہے اس لحاظ سے وہ معید ہے۔(26) واللہ اعلم

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾

''اور وہی بخشنے والا دوست رکھنے والا''۔

صفات باری کے ہمہ رنگ قرآن حکیم اپنے قاری کے سامنے لارہا ہے۔ مجموعی لحاظ سے تین قسم کے لوگ سورہ بروج میں موضوع سخن بنائے گئے: ایک وہ لوگ جو اللہ کو ماننے والے ہیں، اس سے پیار کرنے والے ہیں، اس کو چاہنے والے ہیں۔ انہوں نے حیات فانی دے کر جان باقی کا حسن اپنی منزل بنا رکھا ہے۔ ان کی زندگی کے لمحے لمحے میں ان کے رب، مالک اور خالق سے محبت کا جلوہ تابندہ نظر آتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ودود ان کے لئے بیان کی ہے کہ وہ جس کی خاطر دوڑے جارہے ہیں، تگ وتاز میں منہمک اور سرگرداں ہیں، ان کا محبوب ان سے بے توجہ نہیں وہ ودود ہے۔ وہ محبت دیتا بھی ہے اور لیتا بھی ہے۔ جو لوگ اپنے ارمانوں اور آرزوؤں میں اس کی یاد کو اتار لیتے ہیں وہ بھی اپنی عطاؤں کی خوشبو میں انہیں سمو لیتا ہے۔ محبت کی منزل بھی کتنی خوبصورت ہے، جو خالق ہے وہی مالک ہے اور جو مالک ہے وہی معبود ہے اور جو معبود ہے وہی پروردگار ہے اور پروردگار ایسا ہے کہ اس کی ربوبیت میں رحمت وشفقت کا سیل رواں جاری ہے۔ اسی شفقت کو عامہ بنانے کے لیے اس نے رحمت العلمین کو سجایا ہے اور بنایا ہے۔ اس کے ودود ہونے کے بڑے رنگ ہیں جن کی نزہت ونگہت جنت کے اندر رحمت العلمین آقا کے قدموں ہی میں محسوس ہوگی۔

اعزاز محبت پانے والوں کے علاوہ دوقسم کے لوگ ہیں: ایک وہ جو اپنی ضد، ڈھٹائی اور شقاوت کے حصار میں ایسے بند ہوگئے کہ ''لم يتوبوا'' کی سنگلاخ چٹانوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ سورہ بروج نے بتایا ان کے لیے تو جلادینے والا عذاب ہے البتہ وہ لوگ جنہوں نے لم یتوبوا کا حصار توڑ دیا اور توبوا کی راہوں کے مسافر بن گئے۔ بندہ انتہائی گناہ گار ہو جب سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل اور بے حدوحساب رحمت اسے اپنے پروں میں لپیٹ لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے لیے خود اپنا تعارف فرماتا ہے کہ وہ غفور ہے، معاف کردینے والا ہے، گناہوں کو اپنی رحمت میں لپیٹ لینے والا مہربان ہے۔ معصیتوں کو توبہ کے بعد عیب پوشیوں کی خلعت پہنا دینے والا پروردگار ہے۔

سراپا معصیت میں ہوں سراپا مغفرت وہ ہے

خطا کوشی روش میری ، خطاپوشی ہے کام اس کا

اے اللہ! اپنے غفور مہربان ہونے کا جلوہ عاجز لکھنے والے اور اس کے پڑھنے والوں کو عطا فرمادے۔ گناہ بہت ہیں لیکن تیرا غفور ہونا کبیر بھی ہے اور کثیر بھی ہے۔ معاف فرمادے اور قیامت کے سخت دن میں بے حساب جنت میں داخل فرمادے۔۔۔۔۔ اے ودود آقا! تیری محبت اگرچہ خاص لوگوں کا انعام ہے لیکن کبھی گندے ڈھیروں کا مقدر سورج کی روشنی بن ہی جاتی ہے اگر ودا ور محبت کا انعام مل جائے تو جسم خاکی کا ذرہ ذرہ ہر حالت میں تیری توفیق سے تیرا شکر گزار بھی ہے اور عبادت گزار بھی۔

اللہ اکبر۔۔۔۔!!!!!!!! نبی اور آل نبی پر درود وسلام

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾

''عرش مجید کا مالک''۔

ذوالعرش اللہ تعالیٰ کا اسم صفاتی ہے۔ عرش سے مراد ملک اور سلطنت ہے۔ جتنی بھی مخلوق ہے خواہ وہ تکوین سفلی سے تعلق رکھتی ہے یا مخترعات علویہ سے متعلق ہے سب پر سلطنت قاہرہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ عرش والا ہونے کا مفہوم یہی ہے۔

آیت کی دوسری تاویل یہ ہے کہ عرش سے مراد عرش عرفی ہے۔ جس کی پنہائی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک حدیث میں کرسی کو عرش کے سامنے محض ایک حلقہ قرار دیا گیا ہے۔ عرش کے سامنے پھر باقی اجرام علویہ وسفلیہ کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ حضرت سہل نے ٹھیک کہا ہے اللہ تعالیٰ نے عرش کی تخلیق اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کے لیے فرمائی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رہنے کا مکان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذوالعرش ہونا اس کے قادر مطلق ہونے کا اعلان ہے۔ اس کی ہیبت کا استعارہ ہے لیکن یہ محض اظہار مجازی نہیں بلکہ حقیقۃ الحقیقت ہے جس سے انکار کفر ہے۔

المجید کا لغوی اور اساسی معنیٰ بزرگی اور عظمت ہے۔ علامہ اسماعیل حقی نے ٹھیک لکھا (27) المجید کا معنیٰ الرفیع ،الکریم اور العالی ہونا ہے۔ ائمہ تفسیر نے المجید کو ذوالعرش کی صفت بھی مانا ہے اور عرش کی صفت سے بھی اس کا معنیٰ کیا ہے۔ شیخ ابن کثیر نے دونوں معنوں کی طرف اشارہ کیا ہے (28)۔ واللہ اعلم۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾

''کر لینے والا جس کا ارادہ کرے''۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ جو وہ چاہتا ہے اپنے ارادے اور قدرت سے کر دیتا ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ کسی کام کے کرنے میں اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ کسی فعل کے انجام دینے میں اسباب اور سامان کا محتاج نہیں۔ یہ اس کے فعال لمایرید ہونے کے جلوے ہیں۔ مومنوں کی قلیل سی جماعت کو کثیر پر غلبہ عطا کر دیتا ہے اور کبھی اہل ایمان کا امتحان مقصود ہو تو اہل کفر دندناتے پھرتے ہیں۔ کبھی ظالم اور طاغی حکمرانوں کو ایسا جکڑتا ہے کہ ان کی چیخیں نکل جاتی ہیں اور کبھی چمگادڑیں خیرہ چشمی کرتی پھرتی ہیں۔ وہ چاہے تو قطرے سے قلزم کر دے اور چاہے تو سمندر ایک چھوٹے سے سوراخ میں گم ہو جائیں۔ جنتیوں کا جنت میں داخلہ اور کافروں کا عذاب الحریق میں مبتلا ہونا اس کے فعال ہونے کی دلیلیں ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت عیادت کے لیے حاضر ہوئی اور عرض کی، ارادہ ہے کہ ایک طبیب آپ کی خدمت میں حاضر کریں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے، صحابہ عرض کرنے لگے! طبیب کیا کہتا ہے، حضرت صدیق اکبر ﷛ ارشاد فرمانے لگے وہ فرماتا ہے:

''میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں'' (29)۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾

''کیا لشکروں کی بات آپ تک پہنچی ہے۔ فرعون اور ثمود کے لشکر''۔

قرآن مجید کی یہ آیت ایک تاریخ انسانیت میں گزرنے والے چند ادوار کو تجربہ گاہ بنا کر قاریٔ قرآن کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ صرف تاریخی مدوجزر عنوان فکر نہیں بنائے جاتے بلکہ پہلے آنکھ میں دیکھنے کی قوت اور دماغ میں سوچنے کی طاقت پیدا کی جاتی ہے۔ جنت اور جہنم تک پہنچا دینے والا احتسابی نظام ذکر کیا جاتا ہے، بعد ازاں استفہام انکاری کے انداز میں پوچھا جاتا ہے، اے قاریٔ قرآن! کیا تیرے پاس لشکروں کی خبر آئی ہے؟'' فرعون اور ثمود کی'' یہ وہ لشکر تھے جنہیں مادی اعتبار سے دنیا کے اندر اپنے اپنے دور میں بڑی طاقت حاصل تھی لیکن

ان کے ذہن نارسا کی بدبختیاں کہ یہ جو کچھ تھے خود کو اس سے بڑا قوی اور طاقتور سمجھتے تھے، پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ اور برباد کیا وہ از قصہ قدیم سے لے کر اب تک اقوام وملل کے لئے عبرت بن گیا۔ فرعون اپنے ہٹو بچو والوں سمیت پانی میں غرق کر دیا گیا اور قوم ثمود کو تو اللہ تعالیٰ نے جڑ سے اکھیڑ دیا۔ آسمانی عذاب نے انہیں ایسا گھیرا کہ سوائے چند لوگوں کے کوئی نہ بچ سکا، وہ بھی وہ تھے جو صالح پیغمبر کی غلامی کا شرف رکھتے تھے۔

فرعون کی تباہی کا واقعہ ہو یا ثمود کی ہلاکت کی داستان ہو یا پھر خندق والوں کی ہزیمت اور استقامت کی حکایت ہو قرآن مجید مومنوں اور اسلامیان عالم کی تربیت کرتا ہے کہ سچائیاں، راسخ عقیدے اور خدا تعلقی کو کبھی قتل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ رسوائیاں، ذلتیں، تباہیاں اور ہلاکتیں منکرین اور طاغوتی طاقتوں کا مقدر ہوتا ہے۔ طاغوت آج کل ہو یا کل ہو۔ فرعون قدیم ہو یا جدید اور یزید ملعون دور اول میں پیدا ہو یا دور آخر میں آکاش کا مالک ذلتیں اور لعنتیں انہی پر برساتا ہے۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾

"بلکہ وہ جنہوں نے کفر کیا حق کی تکذیب میں رہتے ہیں۔ اور اللہ ان کے پیچھے سے احاطہ کرنے والا ہے"۔

سورہ بروج کی اس آیت کا مفہوم سادہ اور انتہائی قابل فہم ہے کہ منکرین اپنے حال میں مستاں ہیں اور غفلت اور انکار میں مدہوشی نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ کتنا بدبخت شخص ہے وہ جس کی آنکھوں میں کذب کا کجلا ہو اور کانوں میں جھوٹ کی آمیزش ہو اور اس کی زبان ہر وقت فریب اور دھوکہ اختراع کرتی ہے۔ قرآن مجید نے تکذیب پر تنوین داخل کی جو اس معنیٰ کو انشاہ کرتی ہے کہ جھوٹ کافروں کی زندگی میں چھا گیا ہوتا ہے اور ابن عاشور، بیضاوی اور اسماعیل حقی وغیرہ (30) مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ تنوین کافروں کے جھوٹ میں ہونے کا یہ معنیٰ پیدا کرتی ہے کہ یہ پہلے کافروں کی تکذیب اور موجودہ کافروں کی تکذیب دونوں میں مماثلت سے اضراب ہے یعنی موجودہ کافر پہلے کافروں سے تکذیب میں بڑھ کر ہیں۔ ظاہر ہے دیئے کے منکر اور سورج کے منکر میں صرف نوعی فرق نہیں ہوتا بلکہ جتنی بڑی ہستی کا انکار کیا جاتا ہے کفر بھی اتنا ہی لازم آتا ہے۔ موسیٰ کا منکر فرعون تھا اور صالح کے منکر کافرین ثمود تھے تو جناب رسالتمآب ﷺ کے منکروں کا ڈھٹائی اور ضد میں عالم کیا ہوگا۔ قرآن مجید کا اس طرح کا لطیف اسلوب دراصل سزا، عذاب اور عتاب میں تفاوت بیان کرتا ہے یعنی آج کے بڑے کافر اور بڑے جھوٹے بڑی سزا کے مستحق ہوں گے۔ اگلی آیت بتاتی ہے کہ ان جھوٹوں کو پتہ ہونا چاہیے کہ اللہ کی گرفت سے یہ باہر نہیں اللہ ہر طرف سے انہیں گھیرے ہوئے ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾

"بلکہ وہ عزت والا قرآن ہے۔ لوح محفوظ میں ہے"۔

قرآن مجید کے صفحۂ دعوت پر جگمگانے والے یہ الفاظ اپنی تاثیر، عظمت اور سحر سے افکار اور خیالات کے سمندر میں قبولیت کا تلاطم پیدا کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں اسلام کے پھیلنے کی دو ہی وجوہات اور اسباب ہیں: ایک حضور ﷺ کی ہمہ گیر، عظیم اور معجز شخصیت اور آپ کی زبان سے صادر ہونے والے الفاظ کی حرکیت اور انقلاب اور دوسرا سبب قرآن مجید اور اس کا نظام یا پھر اس نظام سے پیدا ہونے والے رجال عظیمہ۔ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت اعلان کرتی ہے کہ قرآن اعلیٰ وارفع اور بزرگی والا کلام ہے، کیوں نہ ایسے ہو یہ ارفع واعلیٰ ذات کا عطیہ ہے۔ اس کا کلام ہے اور اس کا پیغام ہے۔ یہ اعلان اس معاشرہ میں ہوا جس میں رہنے والے لوگ قرآن مجید کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیتے، کاہنوں کا کلام گردانتے۔ سورہ بروج آسمانی برجوں کے بیان سے شروع ہوئی اور قرآن حکیم کے مجد و بزرگی کے بیان پر ختم ہوئی، قرآن مجید جب اجسام اور اجساد میں داخل ہو کر دلوں پر حکومت کرنے لگا تو ایسے لوگ قرآنی دعوت کے نتیجے میں سامنے آئے جو قرآن سنتے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ ان کی آنکھیں بہنے لگ جاتیں اور ان کے دل اللہ کا ذکر کرتے۔ یہ سب کچھ قرآن کی بزرگی اور مجد کے لیے تسلیم کے رویے سے پیدا ہوتا ہے۔ لاریب پروردگار عالمیاں سے بڑھ کر کس کی بات ارفع ہو سکتی ہے۔

یہ سورت قرآن مجید کے بارے میں یہ اعلان بھی کرتی ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ رہا یہ سوال کہ لوح محفوظ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔ غیبی حقیقتوں کا علم اللہ کے پاس ہے یا پھر رسول اعظم ﷺ جانیں جن کا دل لوح معصوم بھی ہے اور لوح محفوظ بھی ہے۔ اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حوادث اور واقعات کی جزئیات تک لوح محفوظ میں ثبت کی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتیوں سے بنایا۔ اس کے دونوں کنارے سرخ رنگ کے ہیں اور اس کی لمبائی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت کے برابر ہے۔ اس کا عرض مابین المشرق والمغرب ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر روز تین سو ساٹھ

نظروں سے نوازتا ہے۔ زندگی اور موت وہی دیتا ہے اور ذلت دینے والا بھی وہی ہے (31)۔

لوح محفوظ پر خصوصیت کے ساتھ جو تحریر جگمگا رہی ہے وہ یہ ہے:

لااله الله وحده ودينه الاسلام و محمد عبده ورسوله فمن امن به وصدق واتبع رسله ادخله الجنته......

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی ایک ہے۔ دین اس کا اسلام ہے۔ محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ہیں، جو ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔ اللہ کے دعدوں کو جس نے سچا کیا اور اس کے رسولوں کی اتباع کی۔ اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا" (32)۔

مقاتل کا قول ہے کہ لوح محفوظ عرش کے دائیں ہے

طبرانی کی روایت کے مطابق لوح محفوظ کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نور کا ہے اور اس میں تحریر اور تثبیت نور ہے (33)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ لوح محفوظ لوح الذکر ہے جس میں ذکر ہے۔ (34)۔

☆☆☆

حوالہ جات

(1) لسان العرب: ابن منظور

(2) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(3) مواہب الرحمٰن: سید امیر

(4) سراج المنیر: خطیب شربینی

(5) روح البیان: اسماعیل حقی

(6) تفسیر کبیر: رازی ایضاً زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً القرآن الحکیم: فتح القدیر ایضاً ابن کثیر ایضاً شوقانی ایضاً ابو حیان اندلسی ایضاً المراغی ایضاً القاسمی ایضاً اسماعیل حقی

(7) تفسیر کبیر: رازی ایضاً زاد المسیر ایضاً قرطبی ایضاً آلوسی

(8) تفسیر نمونہ: ایرانی مفسرین کی ایک جماعت

(9) زاد المسیر ابن جوزی ایضاً فتح القدیر ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی ایضاً رازی

(10) لسان العرب: ابن منظور ایضاً المفردات فی غریب القرآن: راغب

(11) روح المعانی: آلوسی ایضاً تفسیر کبیر: رازی ایضاً معجم البلدان ایضاً نمونہ ایضاً تفہیم القرآن ایضاً ابن ہشام ایضاً طبری ایضاً ابن خلدون

(12) تفسیر طبری: ابن جریر ایضاً الجامع المسلم ایضاً تفسیر کبیر: رازی ایضاً قرطبی

(13) تفسیر ابن جریر: ابن جریر تفہیم القرآن ایضاً تفسیر کبیر: رازی ایضاً قرطبی

(14) تفسیر طبری: ابن جریر

(15) تفسیر کبیر: رازی ایضاً التحریر: ابن عاشور ایضاً قرطبی ایضاً آلوسی

(16) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(17) القرآن سورہ ذاریات آیت نمبر 13، 14

(18) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً التفسیر المنیر: وھبہ زحیلی ایضاً التفسیر المنیر ایضاً ماتریدی

(19) فتح العزیز: شاہ عبدالعزیز دہلوی

(20) روح المعانی: اسماعیل حقی ایضاً البحر المدید: ابن عجیبہ ایضاً آلوسی

(21) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(22) روح المعانی: سید آلوسی

(23) تاویلات اہل سنت: ابو منصور ماتریدی

(24) لسان العرب: ابن منظور ایضاً مفردات ایضاً قاموس

(25) القرآن سورہ الشعرا: ۱۳۰
(26) النکت والعیون: ماوردی بصری
(27) روح البیان: اسماعیل حقی
(28) تفسیر القرآن الکریم: ابن کثیر ایضاً النکت: ماتریدی
(29) تفسیر القرآن الحکیم: ابن کثیر ایضاً روح البیان
(30) التحریر: ابن عاشور ایضاً بیضاوی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً آلوسی
(31) روح البیان: اسماعیل حقی
(32) معالم التنزیل: بغوی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً مواہب
(33) معجم کبیر: طبرانی
(34) مواہب الرحمن: سید امیر

☆☆☆

توشۂ آخرت ۔۔۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن انس ان رجلا قال یارسول اللہ متی الساعة قال ویلك و ما اعدوت لها قال سا اعدوت لها الا انی احب اللہ و رسوله قال انت مع من احببت قال انس فما رأیت المسلمین فرحوا بشئی بعد الاسلام فرحهم بها

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۶، باب الحب فی اللہ ورسولہ)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے خرابی ہو(یہ بددعا نہیں محاورہ کے طور پر فرمایا) تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے۔ عرض کیا میں نے کوئی (خاص) تیاری نہیں کی البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔ حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی چیز پر اس قدر خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جس قدر وہ اس بات پر خوش ہوئے۔

اس حدیث شریف میں چند امور کا تذکرہ ہے:

۱۔ رسول کریم ﷺ کو قیامت کا علم

۲۔ قیامت کے لئے تیاری ضروری ہے

۳۔ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت قیامت کا اہم توشہ ہے

۴۔ قیامت کے دن رسول کریم ﷺ کی معیت کس کو حاصل ہوگی

۵۔ اسلام کے بعد سب سے زیادہ خوشی کا باعث معیت نبوی ہے

رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم عطا فرمایا تھا البتہ اس کے اظہار کی ممانعت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے قیامت کی نشانیاں بتا دیں لیکن قیامت کا خاص وقت نہیں بتایا اسی لئے رسول کریم ﷺ نے سوال کرنے والے صحابی سے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے قیامت کا علم نہیں، حالانکہ قیامت کا علم بنیادی عقائد میں شامل ہے اور انبیاء کرام اور رسل عظام اپنی اپنی امتوں کی عقائد و اعمال میں اصلاح فرمانے کے لئے تشریف لائے اگر رسول کریم ﷺ کو قیامت کا علم نہ ہوتا تو آپ سوال کرنے والے بلکہ تمام حاضرین اور ان کی وساطت سے تمام امت مسلمہ کی اصلاح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ مجھے قیامت کا علم نہیں ہے اور تم لوگوں کو ایسے عقیدے سے باز رہنا چاہئے۔

دوسری بات جو اس حدیث شریف سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کا قیام لازمی ہے اس کا وقت کوئی بھی ہو نیز اگر کسی مسلمان کو اس کا علم نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی البتہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں پیشی کے لئے عقائد و اعمال کا توشہ لے جانا ضروری ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے اہم چیز کو پیش نظر رکھا اور سوال کرنے والے سے پوچھا کہ تو نے اس کے لئے تیاری کیا کی ہے۔

جس طرح کسی طالب علم کو امتحانی تاریخ کا عمومی علم ہو لیکن خاص تاریخ کا پتہ نہ ہو تو اس سے فرق نہیں پڑتا، اس کے لئے امتحانی تیاری ضروری ہے ورنہ محض تاریخ کے علم سے کیا حاصل ہوگا۔

اس لئے مبلغین اسلام اور علماء امت پر لازم ہے کہ وہ جہاں رسول اکرم ﷺ کی صفات عالیہ، علم غیب اور اختیارات وغیرہ سے امت مسلمہ کو روشناس کروائیں وہاں فکر آخرت کی طرف خصوصی توجہ دلائیں۔ اس حدیث شریف سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگر کوئی شخص عبادت اور اعمال صالحہ میں بلند مقام پر فائز ہو لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے حوالے سے قابل ذکر نہ ہو تو اس کی عبادات بے مقصد ہو جاتی ہیں لیکن جس شخص کا دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے معمور ہوتا ہے وہ فرائض کی ادائیگی اور رزق حلال کے حصول تک محدود رہنے اور نوافل کی کثرت سے خالی ہونے کے باوجود بارگاہ خداوندی اور دربار مصطفوی میں قبول و منظور ہوتا ہے اور قیامت کے دن اسے رسول کریم ﷺ کی محبت نصیب ہوگی۔

رسول کریم ﷺ نے جب اس صحابی سے یہ بات سنی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی اور اہم بشارت دی اور یہی بشارت تمام مسلمانوں کو مرحمت فرمائی گئی۔ صحابہ کرام ﷺ دنیا میں معیت رسول ﷺ کی سعادت سے بہرہ ور رہے اور چونکہ قیامت کا معاملہ دنیوی معاملات سے الگ ہے اس لئے ان کے ذہنوں میں یہ خلش رہتی کہ قیامت کا دن ہم شاید اس سعادت سے محروم رہیں تو رسول کریم ﷺ نے ان کو خوشخبری دی کہ قیامت کے دن تمہیں میرا قرب حاصل ہوگا۔ یہی نہیں صحابہ کرام ﷺ کی برکت سے وہ تمام مسلمان اس سعادت سے بہرہ ور ہوں گے جو اپنے سینوں میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہیں۔

یہاں اس بات کو سمجھنا بھی ضروری ہے کہ محبت ایک کیفیت کا نام ہے جس کا ظہور اس کی علامات سے ہوتا ہے اور ان علامات میں رسول

کریم ﷺ کا ذکر، آپ کی اتباع، اطاعت، آپ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور اشیاء جیسے صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین اولیاء امت، قرآن مجید، دین اسلام، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ سے محبت رکھنا شامل ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو مشعل راہ بنانا اور آپ کی تعلیمات پر عمل کرنا محبت رسول ﷺ کی اہم علامت ہے۔

جہاں سیرت طیبہ پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے محبت اور تعظیم نبوی کی راہ اختیار کرنا ضروری ہے وہاں محبت کا دعویٰ کرنے والوں کو بھی عمل کی شاہراہ پر چلنا ہوگا۔ کسی شخصیت کی محبت اس کی عیب جوئی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے اور جہاں عیب کا تصور بھی نہ ہو وہاں عیب نکالنا محبت نہیں عداوت کی دلیل ہوتی ہے۔ اس لئے امت مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے صحیح تقاضوں کو سمجھیں اور جس ذات کو صحابہ رسول "خلقت مبرأ من کل عیب" (آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا) سمجھیں اس ذات والاصفات میں نقص ڈھونڈنا یقیناً ایمان کے بھی خلاف ہے محبت تو بعد کی بات ہے، لہٰذا ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جائے اور یوں محبت رسول ﷺ کے نور سے اپنے دل کو منور اور روشن کیا جائے۔

☆☆☆

عشق رسول ﷺ

پیر سید فیض الحسن شاہ

خلق الا نسان من علق

ابھی ہمارے علامہ رحمت اللہ صاحب نوری اپنے نوری انداز میں خلقی، امری، غیر مادی، یقینی، حسین وجمیل، اس انداز کی باتیں، اُس محبت کی باتیں کر رہے تھے۔

یہ دنیا محبت سے قائم ہے۔۔۔۔محبت سے بنی ہے۔۔۔۔آغاز بھی محبت ہے۔۔۔۔ابتداء بھی محبت ہے۔۔۔۔طبیعت بھی محبت ہے۔۔۔۔قیام بھی محبت ہے۔۔۔۔بقاء بھی محبت ہے۔۔۔۔حیات بھی محبت ہے۔

دنیا کیوں بنی؟

میں نے جب قرآن سے پوچھا تو مجھے یہ پتہ چلا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تھا۔ اب بھی ہے، قیامت تک ہوگا۔ خدا جانے کہ بیٹھے بٹھائے خیال آیا، دنیا کو بنا دیا۔۔۔۔کثرت کو بنا دیا۔۔۔۔انسانوں کو بنا دیا۔۔۔۔جنوں کو بنا دیا۔۔۔۔عرش کو بنا دیا۔۔۔۔فرش کو بنا دیا۔۔۔۔زمان و مکاں کو بنا دیا۔۔۔۔این وآں کو بنا دیا۔۔۔۔چنین وچناں کو بنا دیا۔۔۔۔موت کو حیات کو۔۔۔۔حق کو باطل کو۔۔۔۔کیا بنا دیا کیوں بنا دیا؟

اب بصیرت کی بات ہے کہ اگر نہ بناتا تو خدا پھر بھی تھا۔

وحدت سے کثرت:

تم نہ مانو خدا پھر بھی۔۔۔۔سارے مان لو خدا پھر بھی۔۔۔۔نہ خدائی بڑھتی ہے نہ کم ہوتی۔۔۔۔یہ کیا بات ہوئی؟

یہ معاملہ خلوت سے جلوت میں کیوں آیا؟

راز سے عالم ظہور میں کیوں آیا؟

یہ حجاب کیوں تھا۔۔۔۔یہ پردہ کیوں تھا۔۔۔۔یہ جلوہ کیوں ہوا۔۔۔۔یہ وحدت سے کثرت کا چکر کیوں چلا۔۔۔۔یہ ظہور کیوں ہوا۔۔۔۔یہ کیا حسن وجمال ہے۔۔۔۔یہ کیا این وآں ہے۔۔۔۔کیا ہے، کیوں ہے اور کس لئے ہے۔۔۔۔میں نے پوچھا کیوں ہے۔۔۔۔؟

فرمایا: خلق الانسان من علق

دنیا محبت کے لئے بنی:

اب علق علاقے کو کہتے ہیں۔ مفسرین سے پوچھو علاقہ محبت کو کہتے ہیں۔

فرمایا! میں نے دنیا کو محبت سے بنایا۔۔۔۔محبت کے لئے بنایا۔۔۔۔محبت کے ساتھ بنایا۔۔۔۔محبت کی وجہ سے بنایا۔

میں نے کہا میں مومن ہوں اور مومن وہ ہوتا ہے، اس پر ایک مقام ایسا آتا ہے جب اسے نہ گرمی لگتی ہے نہ سردی لگتی ہے اور نہ وہ سوتا ہے۔ نہ وہ کھاتا ہے نہ وہ پیتا ہے۔ نہ بیمار ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔ مومن سے موت بھاگ جاتی ہے۔

میں نے پوچھا یہ سب مومن تشریف لے آئے۔ بستر چھوڑ کے آگئے۔۔۔۔بچے چھوڑ کے آگئے۔۔۔۔یہ کیوں آئے؟

ایمان کیا ہے؟

معلوم ہوا! ان کو محبت لائی۔ میں نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ یہ سب مومن ہیں۔۔۔۔حضرت صاحب بھی مومن ہیں۔۔۔۔یہ شیخ صاحب بھی مومن ہیں۔۔۔۔صاحبزادہ صاحب تو بڑے مومن ہیں۔۔۔۔ہم بھی مومن ہیں۔۔۔۔میں نے پوچھا ایمان کیا ہے؟

یہ نہیں کہا کہ جسے منطق آئے وہ مومن ہے۔

یہ نہیں کہا جس کو صرف ونحو آئے وہ مومن ہے۔

یہ نہیں کہا کہ جس کو عربی آئے وہ مومن ہے۔

یہ نہیں کہا کہ جس کو کتابیں آئیں وہ مومن ہے۔

مومن محب کو کہتے ہیں:

میں نے خدا کی تعریف پوچھی، میں نے قرآن سے تعریف پوچھی کہ مومن کون ہے؟

فرمایا! والذین آمنو ا اشد حب للہ۔

یہ تعریف قرآن نے کی ہے۔ جب محبت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔

محبت منزل شناس بن جاتی ہے۔

محبت خدا داد بن جاتی ہے۔

محبت اپنے آپ کو پا لیتی ہے۔

جب محبت میں تعین حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو ایمان کہتے ہیں۔

والذین امنو اشد حب للہ ۔

قرآن نے ایمان کی یہ تعریف کی کہ ایمان محبت شدید ہے۔

جب میں نے اس سے پوچھا جس کے منہ سے خدا بولتا ہے تو کیا کہا؟

میری بولی عشق کی بولی ہے:

حضرت مولانا رحمت اللہ نوری صاحب نے اردوئے معلیٰ بولی۔ مقفٰی بھی تھی، مسجع بھی تھی، مرتب بھی تھی، ردیف بھی تھی، ترنم بھی تھا، آہنگ پیدا ہوتا تھا، پھر مطلب نکلتا تھا۔

اب تم مجھے بتاؤ کہ میں اردو بول سکتا ہوں یا نہیں؟ کیا میری اردو میں غلطی ہے، روزمرہ محاورہ میں غلطی ہے، محاورے میں غلطی ہے؟

تو میں نے ثابت یہ کرنا تھا کہ اردو میں نے لکھنؤ میں بھی بولی ہے۔۔۔۔ دہلی میں بھی بولی ہے۔۔۔۔ کانپور میں بھی بولی ہے۔۔۔۔ مگر میری زبان پنجابی ہے۔۔۔۔ میں پنجابی ہوں۔۔۔۔ پنجابی میری قومی زبان ہے۔ میری زبان وارث شاہ کی زبان ہے۔ میری زبان بلھے شاہ کی زبان ہے، میری زبان میاں محمد کی زبان ہے اور میری بولی ہے پیر مہر علی کی بولی۔

عشق کی بات:

میں بات کرنے لگا ہوں حسن کی۔

میں بات کرنے لگا ہوں عشق کی۔

اور حسن اور عشق کی بات پنجابی میں ادا ہوتی ہے جیسے وارث شاہ کرتے ہیں، بلھے شاہ کرتے، خواجہ غلام فرید کرتے اور میرے آقا حضرت سلطان باہو کرتے ہیں۔

حسن کی ترجمانی عشق کی ترجمانی اتنی خوبصورتی سے اردو نے نہیں بلکہ میری پنجابی بولی نے کی ہے، تو پھر میں پنجابی کیوں نہ بولوں۔

اردو میں نے اس لئے بولی کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ میں اردو بول سکتا ہوں خاص طور پر کہ رحمت اللہ نوری صاحب نہ کہیں کہ فیض الحسن شاہ کو اردو کم آتی ہے اور مجھے زیادہ آتی ہے۔

خدا کہاں ملتا ہے؟

جو بات میں کر رہا تھا کہ "جب میں نے اس سے پوچھا جس کے منہ سے خدا بولتا ہے، آپ میں سے شاید کسی نے خدا کو دیکھا ہو، میں نے تو نہیں دیکھا۔

سمجھ میں تو وہ آیا نہیں۔۔۔۔ عقل میں آتا نہیں۔۔۔۔ منطق میں آتا نہیں۔۔۔۔

اگر خدا ملتا سائنس سے تو ملتا روس کو

اگر خدا ایجاد سے ملتا تو امریکہ کو ملتا

اگر گورے رنگ سے ملتا تو انگریز کو ملتا

اگر خدا کلچر سے ملتا تو فرانس کو ملتا

اگر خدا ملتا ایجادات وٹیلویژن بنانے سے تو جاپان کو ملتا

اگر خدا جھوٹ بولنے سے ملتا تو ملتا ہندوستان کو۔

ایمان کیسے ملا:

مگر نہیں ملتا، کیسے ایمان ملا، رنگ کا کالا تھا۔۔۔۔ ماتھا اس کا چھوٹا تھا۔۔۔۔ ہونٹ اس کا موٹا تھا۔۔۔۔ ذات کا وہ کمی تھا۔

عربی نہیں حبشی تھا۔۔۔۔ آزاد نہیں غلام تھا۔۔۔۔ امیر نہیں غریب تھا۔۔۔۔ پڑھا نہیں ان پڑھ تھا۔۔۔۔ چوہدری نہیں کمی تھا۔

عشق گیا آ۔۔۔۔ محبت گئی آ۔۔۔۔

لوگوں نے پوچھا کون ہو؟۔۔۔۔ بلال نے کہا غلام ہوں۔۔۔۔ پوچھا تمہاری ذات کیا ہے؟۔۔۔۔ بلال نے کہا حبشی ہوں۔۔۔۔ پوچھا تمہیں عربی آتی ہے؟۔۔۔۔ بلال نے کہا کوئی نہیں۔۔۔۔ پوچھا پیسہ تمہارے پاس ہے؟۔۔۔۔ کہا نہیں۔۔۔۔ پوچھا کس لئے آئے

ہو۔۔۔۔ بلال نے کہا عشق کرنے کے لئے۔۔۔۔ پوچھا کس سے عشق ہے۔۔۔۔ بلال نے کہا مجھے اس سے عشق ہے جس سے خدا کو عشق ہے۔

نعرۂ تکبیر اللہ اکبر

نعرۂ رسالت یا رسول اللہ

نعرۂ حیدری یا علی

عاشق کو مارا جاتا ہے:

جس سے اللہ کو عشق ہے اس سے ان کو عشق ہے۔

لوگوں نے کہا جو عشق کرتا ہے ہم اسے مارتے ہیں۔

بلال نے کہا مارو! میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ مار پیٹ میں کیا لطف ہے۔

مارنے والے چار مار کھانے والا اکیلا۔

انہوں نے ڈنڈے پکڑ لئے اور کپڑے اتار کر مارنا شروع کر دیا۔

مارنے والے مارتے مارتے تھک گئے اور وہ مار کھانے والا ہنسنے لگا۔

لوگوں نے کہا جسے مارا جاتا ہے وہ تو روتا ہے۔

تم فیل ہوگئے:

تم مار کھا کے ہنس رہے ہو۔

بلال نے کہا دیوانہ تو نہیں پروانہ ہوں۔

لوگوں نے پوچھا ہنستے کیوں ہو؟

بلال نے کہا جو لڑ کا فیل ہو وہ روتا ہے اور جو پاس ہو وہ ہنستا ہے۔

تم نے مجھے اس لئے مارا تھا کہ محبت کم ہو جائے۔

تم نے مجھے اس لئے مارا تھا کہ نبی سے پیار نہ کرو۔

جتنا تم مجھے مارتے ہو میری محبت میں اضافہ ہو رہا ہے۔۔۔۔ خون بہتا ہے تو زیادہ لطف آتا ہے۔

ہڈیاں ٹوٹ رہی ہیں، محبوب دیکھ رہا ہے اور کام بن رہا ہے۔

تم فیل ہوگئے ہو میں پاس ہوگیا ہوں۔

تمہارا کام رونا ہے اور میرا کام ہنسنا ہے۔

انہوں نے کہا اب تھک گئے ہیں باقی کل ماریں گے۔

اس نے کہا اور مارو کیونکہ مجھے لطف ہی اب آنے لگا ہے۔

پھر اس کی قیمت کیا لگی؟ چوٹیں کھاتے کھاتے، ہڈیاں تڑواتے تڑواتے، یار کو مناتے مناتے۔

عشق گیا حسن کے پاس۔۔۔۔ نیاز گیا ناز کے پاس۔۔۔۔ پروانہ گیا شمع کے پاس۔۔۔۔ عندلیب گیا پھول کے پاس۔۔۔۔ بلال گیا مصطفےٰ کے پاس۔۔۔۔ حسن نے پوچھا عشق سے۔۔۔۔ شمع نے پوچھا پروانے سے۔۔۔۔ عندلیب نے پوچھا پھول سے۔

مصطفےٰ نے پوچھا بلال سے کہ کیا ہوا ہے، تمہارا خون بہہ رہا ہے، کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، زخمی ہو، کیا ہوا۔

بلال نے کہا آقا مجھے مارا گیا ہے۔

سرکار نے پوچھا کس لئے اور کس نے مارا۔

حضرت بلال نے عرض کی آقا آپ کی قسم مجھے مار کھانے میں بہت لطف آیا۔

جی چاہتا تھا کہ دشمن مارتے رہیں۔۔۔۔ آپ دیکھتے رہیں۔۔۔۔ میں ہنستا رہوں۔۔۔۔

دیکھو دوستو! ہم اس خاک کو ترستے ہیں جس جگہ سرکار ﷺ قدم رکھتے رہے بات تو نسبت کی ہے۔

میں آیا گرمی کا موسم۔۔۔۔ میرے دوست نے کوکا کولا کی بوتل کھول کر مجھے دی۔۔۔۔ شاہ جی بوتل پی لیں۔

عام پانی اور آب زم زم:

میں نے بوتل لے لی، جب پینے لگا تو ایک اور آدمی پیچھے سے آیا اور کہنے لگا کہ یہ نہ پئیں۔ میں پانی لے کر آیا ہوں میرا پانی پئیں۔

میں نے کہا میں ٹھنڈا پانی پینے لگا ہوں۔

اس نے کہا میرے پاس گرم پانی ہے۔

میں نے کہا میرا پانی میٹھا ہے۔

کہنے لگا میرا پانی کھارا ہے۔

میں نے کہا میرا پانی آٹومیٹک مشینوں کا ہے۔

وہ کہنے لگا میرے پانی میں جالا لگا ہوا ہے۔

میں نے کہا بھئی میں ٹھنڈا پانی چھوڑ کر گرم پانی کیوں پیوں؟

میٹھا پانی چھوڑ کر میں کڑوا پانی کیوں پیئوں؟

تازہ پانی چھوڑ کر باسی پانی کیوں پیئوں؟

مسئلہ بدل گیا:

اس نے کہا شاہ جی یہ اس لئے کہ آپ کے ہاتھ میں کوکا کولا ہے اور میرے ہاتھ میں آبِ زم زم ہے۔

ٹھنڈا پانی چھوڑ دیا گیا اور گرم پانی پی لیا گیا۔

مسئلہ بھی تبدیل ہو گیا۔

آپ مجھے بتائیں کہ پانی کیسے پیا جاتا ہے؟ بیٹھ کر!

پانی بیٹھ کر پیا جاتا ہے۔

لسی بیٹھ کر پی جاتی ہے۔

اگر میں کوئی کڑوی بات کردوں تو غصے میں تو نہ آؤ گے۔ اگر غصے میں آ بھی جاؤ تو میرا کیا بگاڑو گے۔

آپ کا عمل سنت کے خلاف ہے آپ کھڑے ہو کر پانی پیتے ہیں۔ بلکہ آپ کھڑے ہو کر ہی نہیں بلکہ بھاگ بھاگ کر کھانا کھاتے ہیں اور اسے بوفے ڈنر کہتے ہیں۔

بوفے ڈنر:۔

کھانا لگ گیا، میز لگی ہوئی تھی، بابو آ گیا اور پلیٹ پکڑ کر کھانے لگا۔ وہ ادھر سے چلا ایک بابو ادھر سے چلا، ساتھ ساتھ کھا رہے ہیں اور ساتھ ہی باتیں ہو رہی ہیں How do you do. How are you بات میری درست ہے یا نہیں۔

جانور پانی کھڑے ہو کر پیتے ہیں یا بیٹھ کر۔

گھوڑا پانی کھڑا ہو کر پیتا ہے۔

گدھا پانی کھڑا ہو کر پیتا ہے۔

بیل پانی کھڑا ہو کر پیتا ہے۔

بابو بھی پانی کھڑا ہو کر پیتا ہے۔

آپ بُرا نہیں مانیے گا، میں بابو کی توہین نہیں کر رہا بلکہ میں تو آپ کو مسئلہ بتانا چاہتا ہوں۔

خدا کی قسم اگر روٹی گھر کی ہو اور سوکھی ہو اور تم ہاتھ دھولو اور بسم اللہ پڑھ لو، دایاں گھٹنا کھڑا کر لو، کھانا کھاؤ، آدھی بھوک ابھی باقی ہو۔

حضور کی سنت پر عمل کرو:

میں کہتا ہوں اگر تم چالیس روزے بھی رکھ لو تو بخشے نہیں جاؤ گے مگر یار کی سنت کے مطابق کھانا کھا لو تو خدا وہیں بخش دے گا۔

کوکا کولا جائز ہے، شیزان جائز ہے۔ اگر تم اللہ کے محبوب، اللہ کے یار، اللہ کے دوست جیسے پانی پیتے تھے بیٹھ کر تین گھونٹ بھر کر کہہ دو "الحمد اللہ"۔ خدا کی قسم اگر تم گرمیوں کے موسم میں روزے رکھو تو شاید خدا قبول نہ کرے۔ لیکن اگر یار کی سنت اور یار کی ادا سامنے رکھ کر پانی پی لو تو خدا وہیں پہ بخش دے گا۔

مولوی بخشنے نہیں دے گا:

دین کیا ہے رضائے خدا ہے، ادائے مصطفےٰ ہے۔ آپ نے کئی مولوی دیکھے ہوں گے خاص طور پر دوسرے مولوی جیسی یہ جنہیں کوئی آدمی نزدیک آجائے تو مولوی لڑنے لگ جاتا ہے۔ وہ مولوی انتہائی خشک اور نکتہ چین ہے۔ اگر کوئی آدمی آجائے اور بخشش کی بات کرے تو مولوی کہتا ہے کہ اگر میرے ہوتے ہوئے کوئی آدمی بخشا جائے تو میرے مولوی ہونے کا کیا فائدہ۔

حدیث:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے ننانوے قتل کئے۔ ننانوے قتل کر کے اسے خیال آیا کہ میں قاتل آدمی ہوں۔ میرے خنجر پر انسانوں کا خون ہے اور میرے سر پر بہت سے انسانوں کا خون ہے۔ پتہ نہیں بخشا بھی جاؤں گا کہ نہیں۔ اگر خدا میری توبہ قبول کر لے تو میں توبہ کرتا ہوں۔ وہ ایک مولوی کے قابو آگیا۔ اس نے کہا مولوی جی میں نے ننانوے آدمی مارے ہیں میری توبہ قبول ہو جائے گی۔

ننانوے آدمیوں کا قاتل:

مولوی نے کہا او بے ایمان! اگر کوئی ایک آدمی بھی مار دے تو نہیں بخشا جائے گا مگر تم نے تو ننانوے آدمی مار دیئے ہیں۔ بچو تمہارا تو فرشتوں نے اور سانپوں نے اور جہنم نے کچومر نکال دینا ہے۔

اس آدمی نے کہا میں نے اتنے آدمی مارے ہیں اور اب بخشا تو جاؤں گا نہیں اور توبہ کا فائدہ کوئی نہیں تو کیوں نہ اس مولوی کو بھی مار دوں۔

مولوی بھی گیا:

میں واقعہ عرض کر رہا ہوں۔ اس نے سوچا میں بخشا تو نہیں جاؤں گا۔ تو کیوں نہ سو (100) پورا کر دوں۔ اس مولوی کو بھی مار دیا اور پھر بعد میں پھر کسی اللہ والے کی طرف چل پڑا۔

وہ کسی صوفی کی طرف گیا۔
وہ کسی درویش کے پاس گیا۔
وہ کسی سُنّی کے پاس گیا۔
وہ کسی محبت والے کے پاس گیا۔
وہ کسی عشق والے کے پاس گیا۔
وہ کسی اللہ والے کے پاس گیا۔

حامل رحمت خدا:

جس کے پاس رحمت خدا تھی اس کے پاس گیا اور جا کر کہنے لگا حضرت صاحب میں نے سو آدمیوں کو مارا ہے میری بخشش کا کوئی امکان ہے۔
اس نے کہا تم فلاں گاؤں جاؤ۔ وہاں ایک اللہ کا بڑا مقبول بندہ رہتا ہے اس کے پاس جا کر عرض کرو۔ اگر وہ دعا کر دے تو اللہ تمہارے تمام گناہ معاف فرما دے گا۔ وہ چل پڑا۔ ابھی تھوڑی دور گیا تو اس کا وقت پورا ہو گیا اور وہ مر گیا۔

فرشتوں کی آمد:

جب وہ مرا تو عذاب کے فرشتے اور جنت کے فرشتے آگئے۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا یہ سو (100) آدمیوں کا قاتل ہے اور ثواب کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کرنے جا رہا تھا یہ جنتی ہے۔

جہنم کے فرشتوں نے کہا توبہ کرنے جا رہا تھا ابھی توبہ نہیں کی۔ جنت والے فرشتوں نے کہا یہ جا تو رہا تھا۔ جب جھگڑا بڑھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گیا۔ جہنم والے فرشتوں نے کہا یا اللہ یہ توبہ کرنے جا رہا تھا مگر ابھی توبہ نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ جا کر پیمائش کر لو۔ اگر میرے ولی کی طرف کم ہے تو جنتی ہے اور اگر زیادہ ہے تو دوزخی ہے۔ اب چل کر تھوڑا آیا تھا، ادھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا ادھر زمین کو حکم دیا کہ اے زمین ادھر سے کم ہو جا ادھر سے زیادہ ہو جاؤ۔ فرشتوں کی رفتار دیکھیں۔

دوست کی گردن نہ کٹے:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چھری چلائی تو خدا نے جبرائیل کو بھیجا کہ جبرائیل جاؤ۔ گردن اس کی ہے مگر میرا یہ دوست ہے۔ اگر یہ گردن کٹ جائے تو درد میں محسوس کروں گا۔

کھال بھی اترواتا ہے۔۔۔۔۔ گردن بھی کٹواتا ہے۔۔۔۔۔ ادھر چھری چلی۔۔۔۔۔ ادھر سے جبرائیل اور چھری چلنے سے پہلے جبرائیل پہنچ گیا۔
جب میرے آقا کملی والے کے دندان مبارک شہید ہوئے اور خون کا قطرہ نکلا اور نیچے گرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم

دیا اے جبرائیل یہ قطرہ میرے محبوب کے خون کا ہے۔ یہ قطرہ بہت معظم ہے۔ یہ قطرہ بہت محترم ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے قطرہ زمین پر گرنے سے قبل تھام لیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب آپ کے بھائیوں نے کنوئیں میں گرایا تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے یوسف کو پانی پر نہ گرنے دینا اور اپنے پر میرے یوسف کے نیچے بچھا دینا۔

زمین سمٹ گئی:

یہ فرشتوں کی تیز رفتاری ہے۔ ادھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین فرشتوں کے پہنچنے سے قبل تو سمٹ جا اور میرے ولی اور اس آدمی کے قریب ہو جا۔

فرشتے پہنچے، زمین کی پیمائش ہوئی اور وہ قاتل بخشا گیا۔

اللہ اللہ! جن اولیاء کے گاؤں کی طرف جانے سے نجات ہوتی ہے جو ان کی محبت میں بیٹھے اس کی کیا عظمت اور کیا شان ہے۔

پتھر توڑتے نہیں جوڑتے نہیں:

عزیزان گرامی! بات تو محبت کی ہو رہی ہے ہم اس زمین کے لئے ترستے ہیں جہاں آقا کے قدم لگے۔ یہ مسجد آج میں نے پہلی بار دیکھی ہے، اس مسجد میں آپ پتھر لگا لیں ۔۔۔۔ پتھر ہو سفید ۔۔۔۔ پتھر ہو سنگ مرمر کا ۔۔۔۔ پتھر سنگ موسیٰ ۔۔۔۔ پتھر سنگ عیسیٰ ۔۔۔۔ پتھر کمیاب ۔۔۔۔ پتھر نایاب ۔۔۔۔ پتھر گراں ۔۔۔۔ اور پتھر بڑا قیمتی ۔۔۔۔ آپ اسے چوم لیں ۔۔۔۔ آپ اس کے اوپر ہاتھ پھیر پھیر کر اپنے چہرے پر مل لیں، تو فتوے کے لئے خواہ کوئی دوسرا مولوی آئے یا نہ آئے تو میں کہوں گا کہ ہم پتھر توڑنے آئے ہیں پتھر چومتے نہیں۔

ہم خارا شگاف ہیں خارا پرست نہیں۔ توحید کا درس اسلام دیتا ہے ۔۔۔۔ آپ اس پتھر کا احترام کرتے ہیں اس لئے اٹھا کر باہر پھینکیں ۔۔۔۔

انتظامیہ والوں نے کہا ۔۔۔۔ یہ پتھر بہت قیمتی ہے ۔۔۔۔

ہم نے کہا! اسے باہر پھینکیں، کہنے لگے نایاب ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ کہنے لگے کم یاب ہے۔

ہم نے پتھر اٹھا کر باہر پھینک دیا ۔۔۔۔ کراچی میں پتھر اٹھا کر مسجد سے باہر پھینکا ۔۔۔۔ اسلام آباد میں اٹھا کر مسجد سے باہر پھینکا ۔۔۔۔ گوجرانوالہ میں پتھر اٹھا کر مسجد سے باہر پھینکا۔

حجر اسود کو چومنا پڑا:

میں حج کے لئے گیا ۔۔۔۔ میں کمزور سا آدمی ہوں ۔۔۔۔ کعبے شریف میں ایک پتھر لگا ہوا ہے ۔۔۔۔ پتھر سفید نہیں کالا ۔۔۔۔ نیا نہیں پرانا ۔۔۔۔ ثابت نہیں ٹوٹا ہوا۔

میں جب اس کو چومنے کی کوشش کرتا ۔۔۔۔ ایک کالا حبشی مجھے دھکا مارتا اور میں ادھر گر جاتا۔ آدھی رات کے وقت مجھے موقعہ ملا تو میں اس پتھر کے نزدیک گیا۔ اس پتھر کو ایک بہت بڑے سے مولوی نے اپنی بانہوں میں پکڑا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ مولوی صاحب کبھی اس پتھر کو اپنی داڑھی پر ملتے ہیں اور چومتے ہیں۔ مولوی نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور پوچھا شاہ صاحب آپ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے کہا وہاں سے آیا ہوں۔

مولوی پھنس گیا:

مولوی ہمیں تو کہتا تھا آپ قبروں کو چومتے ہیں چادروں کو چومتے ہیں یہ تو سب شرک ہے۔

پھر میں نے فوراً پوچھا یہ اپنے بازوؤں سے اللہ کو پکڑا ہوا ہے۔ وہ مولوی سمجھ گیا میں یہ کیا کہہ رہا ہوں۔

مولوی کہنے لگا حجر اسود شریک۔

میں نے کہا شریک بھی ۔۔۔۔ ادیب بھی ۔۔۔۔ عجیب بھی ۔۔۔۔ غریب بھی ۔۔۔۔ تمام باتیں اس میں ہیں۔ مگر یہ خالق ہے یا کہ مخلوق۔

مولوی کہنے لگا مخلوق۔

میں نے کہا عین ہے یا غیر

مولوی نے کہا، غیر

میں نے کہا، اللہ ہے کہ آدمی

مولوی نے کہا، آدمی ہے

تو پھر میں نے کہا غیر کو کیوں چومتے ہو، غیر کو کیوں چاٹتے ہو۔

مولوی نے کہا، کیا کریں اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔

مولوی نے یہ نہیں کہا ٹھیک ہے جائز ہے۔ یہ ارکان حج ہے۔ اس کے بغیر حج کی تکمیل نہیں ہوتی اور نتیجہ کیا نکلا، جس پتھر کو میرے کملی والے نے مانگ لیا ہے یہ وہی پتھر پہلے بھی تھا میں نے پوچھا ٹھیک ہے تم پتھر ہو۔ مگر جب سے میرے آقا کے ہونٹ مبارک لگے ہیں تمہارا چومنا ہمارے لئے ایمان بن گیا ہے۔

''جس دل کو تو نے دیکھ لیا دل بنا دیا''

ایک اور مسئلہ حل ہو گیا:

میں لاہور سے آ رہا تھا۔ نوجوان لڑکے بہت شریر ہوتے ہیں۔۔۔ انہوں نے دیکھا کہ بس میں ایک مولوی بھی بیٹھا ہوا ہے۔ مجھ سے ایک آدمی نے کہا! کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے۔

آپ گھر میں بیٹھے ہوتے ہیں۔۔۔ وہ اذان میں کہتا ہے اشهدان محمد رسول الله اور آپ اس وقت گھر میں بیٹھے ہوتے ہیں تو اس وقت آپ اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگا لیتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے کہ نام تو مولوی لے رہا ہے۔۔۔ اور وہ نام بھی مسجد میں لے رہا ہے۔۔۔ آپ گھر بیٹھے ہوئے ہیں۔۔۔ اور گھر بیٹھے نام سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں۔

یا تو آپ وہ منہ چومیں جہاں سے مصطفےٰ کا نام ادا ہو رہا ہے۔

یا آپ وہ ہونٹ چومیں جہاں سے مصطفےٰ کا نام ادا ہو رہا ہے۔

نام لے رہا ہے مولوی اور تم اپنے انگوٹھے چوم رہے ہو آخر اس میں کیا حکمت ہے کیا منطق ہے، اس کا کیا فائدہ ہے؟

اس وقت مجھ سے جواب نہ بن پڑا، میں سوچنے لگا۔

یہ مسئلہ خانہ کعبہ پہنچ کر حل ہو گیا۔

میرے جیسے بوڑھے افراد، بوڑھی عورتیں جو حجرِ اسود کا بوسہ نہیں لے سکتے تھے ان کے لئے مسئلہ یہ بیان ہوا کہ دور کھڑے ہو کر پتھر کی طرف اشارہ کر کے اپنے ہاتھوں کو بوسہ دے لو، ہاتھ اپنے چومو گے تو ثواب پتھر چومنے کا مل جائے گا۔

اب دیکھیں پتھر دور ہے، پتھر کو ہاتھ لگایا بھی نہیں، درمیان میں فاصلہ موجود اور قریب پہنچنے کی ہمت بھی نہیں۔۔۔ یا وقت نہیں ہے۔۔۔ یا موقعہ نہیں ہے۔۔۔ فرمایا پتھر کی طرف اشارہ کر کے ہاتھ چوم لو تو حجرِ اسود کو چومنے جتنا ثواب مل جائے گا۔

آج میں تقریر کے لئے نہیں آیا تھا، میں بیمار بھی ہوں اور غیر ممالک کے دورے سے واپس آیا ہوں۔

میں آج صرف صاحبزادہ صاحب کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔۔۔ میں یہیں ہوں اور آپ کے سامنے وعظ کرتا ہی رہتا ہوں۔۔۔ مجھے پتہ چلا کہ حضرت سلطان باہو کی اولاد سے کوئی صاحبزادے تشریف لائے ہیں میں اس لئے حاضر ہوا ہوں۔

حضور ﷺ کا نور سب سے پہلے ہے:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے۔ یہ حدیث بہت لمبی ہے۔ اگر سوال ہو تو جواب ملتا ہے۔۔۔ طلب کرو تو عطا ہوتی ہے۔۔۔ اگر سوال نہ پوچھا جاتا تو جواب نہ مل پاتا۔

اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں اس حدیث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کی محبت کا اقرار کیا ہے کہ میرے آقا و مولا نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے''

خواہ کسی کو تکلیف ہو حضور کی حدیث موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا کیا!

علت پہلے سے معلول بعد میں آتا ہے۔

مادہ پہلے ہے چیز بعد میں ہے۔

مٹی پہلے ہے گھڑا بعد میں بنا۔

میری ٹوپی چمڑے کی ہے چمڑا پہلے سے ٹوپی بعد میں ہے۔

میز لکڑی کا بنا ہے پہلے لکڑی ہو تو میز بنتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ پہلے میز بن جائے اور لکڑی بعد میں۔۔۔

یہ بیان کب کا ہے:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے آقا و مولا کس چیز سے بنے۔ جس تخلیق کی بابت خدا تعالیٰ بیان فرما رہا ہے وہ کیا ہے۔

تو کملی والے نے بیان فرما دیا، یہ بیان کب کا ہے۔

اے جابر نہ زمین تھی نہ آسمان تھا۔۔۔۔ نہ کون تھا نہ مکان تھا۔۔۔۔ نہ این و آں تھا۔۔۔۔ نہ چنین، چناں تھا۔۔۔۔ نہ فرشتہ تھا۔۔۔۔ نہ پری تھی۔۔۔۔ نہ جنت تھی۔۔۔۔ نہ دوزخ تھا۔۔۔۔ نہ موت تھی۔۔۔۔ نہ حیات تھی۔۔۔۔ نہ عرش تھا۔۔۔۔ نہ فرش تھا۔۔۔۔ یا خدا تھا یا مصطفیٰ تھا۔

سائنس کی تخلیق:

سائنسدانوں نے تحقیق پیش کی کہ لوہا انسان میں موجود ہے۔۔۔۔ تانبا انسان میں موجود ہے۔۔۔۔ کاپر انسان میں موجود ہے۔۔۔۔ قلعی انسان میں موجود ہے۔۔۔۔ چاندی انسان میں موجود ہے۔۔۔۔ جزوی طور پر تھوڑی تھوڑی سی دھاتیں انسان میں موجود ہیں۔

اور میرے آقا و مولا کملی والے اس وقت وجود میں آئے۔۔۔۔ مٹی ابھی پیدا نہیں ہوئی۔۔۔۔ ہوا کا ابھی وجود نہیں۔۔۔۔ آگ ابھی بنی نہیں۔۔۔۔ چاند ابھی بنا نہیں۔۔۔۔ سورج ابھی بنا نہیں۔۔۔۔

ہم مٹی سے پیدا ہوئے، پہلے مٹی بنی تو ہم پیدا ہوئے۔

ہم بنے آگ سے، پہلے آگ بنی بعد میں ہم بنے۔

تمام چیزیں ملانے سے آدمی بنا اور کملی والا اس وقت بنا جب چاند ابھی نہیں بنا۔۔۔۔ سورج ابھی نہیں بنا۔۔۔۔ آگ ابھی نہیں بنی۔۔۔۔ ہوا ابھی نہیں بنی۔۔۔۔ ہم مٹی کے بنے ہیں۔ پہلے مٹی بنی ہے اور بعد میں ہم بنے ہیں۔

اگر ہم آگ کے بنے ہیں تو پہلے بنی آگ اور بعد میں ہم بنے ہیں اور کملی والا اس وقت بنا کہ نہ آگ ہے نہ مٹی ہے نہ پانی ہے نہ ہوا ہے تو سوچنے والی بات کملی والا کس چیز کا بنا ہے۔

خدا کا نور تھا یا مصطفیٰ کا نور تھا:

تو کملی والا اس چیز کا بنا جو کملی والے سے پہلے تھی تو حضور ﷺ سے پہلے کیا تھا۔ معلوم ہوا حضور سے پہلے نور خدا تھا، خدا کا نور تھا تو حضور خدا کے نور سے بنے ہیں۔۔۔۔ مکان کب بنا جب زمین بنی۔۔۔۔ گوجرانوالہ لاہور سے پہاڑ کی طرف ہے۔۔۔۔ سیالکوٹ گوجرانوالہ سے مشرق کی طرف ہے۔۔۔۔ مکان کب بنا جب زمین بنی۔۔۔۔ اور کملی والا اس وقت بنا جب زمین نہ تھی۔۔۔۔ نور ہے کہاں۔۔۔۔؟ وہاں رہا جہاں نور خدا تھا۔۔۔۔ اور کملی والا نور خدا کی محبت کی آغوش میں رہا۔۔۔۔ کتنی دیر رہا۔

ٹائم کب بنا جب سورج بنا۔ جب سورج طلوع ہوا تو فجر کا پتہ چلا۔

سورج جب نصف النہار پر پہنچا تو۔۔۔۔ دوپہر کا پتہ چل گیا۔

سایہ ڈھل گیا تو۔۔۔۔ ظہر ہوگئی۔

سورج نیچے آ گیا تو۔۔۔۔ عصر ہوگئی۔

جب سورج ڈوب گیا۔۔۔۔ مغرب ہوگئی۔

جب سورج غروب ہوئے دیر ہوگئی۔۔۔۔ عشاء ہوگئی۔

تو پتہ چلا کہ کملی والا اس وقت بنا جب سورج نہیں بنا، اس واسطے ٹائم بھی نہیں ہے۔ زمان بھی نہیں۔ مکان بھی نہیں، صرف یا خدا ہے یا کملی والا مصطفیٰ ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اول ما خلق الله نوری۔ یعنی سب سے پہلے میں پیدا ہوا ہوں

هو الاول هو الآخر :

هو الاول هو الآخر هو الظاهر الباطن وهو بكل شئ عليم ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں فرماتے ہیں:

هو الاول هو الآخر هو الظاهر الباطن یہ حمد خدا بھی ہے اور نعت مصطفیٰ بھی ہے۔

یہ حمد بھی ہے نعت بھی ہے۔
اللہ تعالیٰ بھی اوّل ہے رسول اللہ بھی اوّل ہے۔
وہ بنانے میں اوّل ہے یہ بننے میں اوّل ہے۔
وہ پڑھانے میں اوّل ہے یہ پڑھنے میں اوّل ہے۔
وہ بھیجنے میں اوّل ہے یہ آنے میں اوّل ہے۔
وہ تخلیق کرنے میں اوّل ہے یہ تخلیق ہونے میں اوّل ہے۔
وہ عرش پہ اوّل یہ فرش پہ اوّل۔
وہ خدائی میں اوّل یہ مصطفائی میں اول

اول وہ بھی اول یہ بھی:

اوّل وہ بھی ہے۔۔۔۔اوّل یہ بھی ہے۔۔۔۔وہ خدائی میں اوّل ہے۔۔۔۔یہ مصطفائی میں اوّل ہے۔۔۔۔وہ تخلیق کرنے میں اوّل ہے۔۔۔۔یہ تقسیم کرنے میں اوّل ہے۔

وہ بنانے میں اوّل۔۔۔۔یہ بننے میں اوّل۔
وہ پڑھانے میں اوّل۔۔۔۔یہ پڑھنے میں اوّل۔
وہ بھیجنے میں اوّل۔۔۔۔یہ آنے میں اوّل۔
ہے وہ بھی اوّل۔۔۔۔ہے یہ بھی اوّل۔

میں نے کہا اقبال! عربی زبان کسی کو آتی ہے اور کسی کو نہیں آتی۔اس لئے آپ اس کا ترجمہ فرمادیں:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہ

ہمارا دوسرا شاعر بولا:

میری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

حضور ﷺ کو موت نہیں آسکتی:

جناب بندہ! اول وہ ہے، سب سے پہلے وہ ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے۔۔۔۔کہ موت ہی بعد میں اور موت آنی ہے۔اب سب کے علم میں ہے کہ موت تو حضور کے بعد بنی ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

خلق الموت والحیات

میں نے زندگی اور موت کو پیدا کیا۔

جناب موت اسے آئے گی جو موت کے بعد بنا ہے۔۔۔۔اور جو موت سے پہلے بنا ہے موت کو اس کا علم ہی نہیں ہے۔
کملی والا اس وقت بنا جب موت تھی ہی نہیں۔۔۔۔اس لئے میرے آقا ومولا کو موت آ ہی نہیں سکتی۔
مخلوق اول ہے ہر تخلیق سے قبل ہے۔
حیات مستعار سے قبل ہے کیونکہ آپ کی زندگی اور ہے۔۔۔۔جب کملی والا بنا تو بہت عرصہ قرب خاص میں رہا۔

حضور کے نور کے چار حصے:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے کائنات بنائی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے نور کے چار حصے کئے۔

ایک حصے سے عرش بنا
ایک حصے سے جنت بنی
ایک حصے سے فرشتے بنے

ایک حصے سے ساری کائنات بنی

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ میرے آقا کے نور کے چوتھے حصے سے تنظیم کائنات ہے۔۔۔۔حیات کائنات ہے۔۔۔۔روح کائنات ہے۔

اس چوتھے حصے سے نظام کائنات قائم ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضور حاضر ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ ہمارے آقا و مولا کے نور کا چوتھا حصہ محیط کائنات ہے۔ باقی تین حصوں کے متعلق تو بات کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ جب وہ قیوم کائنات ہے۔۔۔۔تو قیوم روح ہوتا ہے۔

روح کیا ہے؟

مجھ میں روح ہوتو میں دیکھ سکتا ہوں۔

مجھ میں روح ہوتو میں چل سکتا ہوں۔

مجھ میں روح ہوتو میں سن سکتا ہوں۔

اور اگر روح نہ ہوتو ہاتھ حرکت کرسکتا ہے، بازو حرکت کرسکتا ہے۔ میرا جسم مرجائے اگر روح میرے جسم میں ہے تو حرکت ہے۔ اگر کائنات میں روح مصطفےٰ ہے تو حرکت ہے جب میرے جسم سے میری روح نکل جائے گی۔

کملی والا روح کائنات:

اگر روح نہ ہوتو نہ ہاتھ ہے اور نہ بازو، اور میرا جسم مرجائے میری حرکت بتاتی ہے کہ میرے جسم میں روح موجود ہے۔ میرے جسم میں روح ہے تو حرکت ہے اور اگر کملی والے کی روح کائنات میں ہے تو حرکت ہے۔

جب میری روح نکل جائے گی تو میری حرکت بند ہوجائے گی کیونکہ میری روح میرے اندر نہیں ہے۔

کملی والا روح کائنات ہے۔ سورج تب چڑھے گا۔۔۔۔چاند تب چڑھے گا۔۔۔۔زمین تب حرکت کرے گی۔۔۔۔پانی تب چلے گا۔۔۔۔

کائنات کی حرکت تب ہے کہ روح موجود ہے اور اگر روح نکل جائے گی تو دنیا کی حرکت بند ہوجائے گی اور کائنات کی حرکت بتارہی ہے کہ ''والضحیٰ'' کے چہرے والے روح کائنات میں موجود ہیں تو آپ گئے ہی نہیں۔ اگر حضور نبی کریم ﷺ چلے جاتے ہیں تو پھر کائنات میں کوئی نہیں رہ سکتا ایک بات کر کے آپ سے اجازت لیتا ہوں۔

حضور ﷺ کی یاد میں جلسہ:

ایک مثال دے جاؤں، یہ جلسہ جن لوگوں نے کیا ہے ان لوگوں سے پوچھو کہ تمہیں جلسہ کرنے کے لئے کس کا خیال آیا۔

وہ کہیں گے کہ صاحبزادہ صاحب کا خیال آیا۔

ان کا خیال آیا تو اشتہار چھپا۔

ان کا خیال آیا تو اعلان ہوا۔

ان کا خیال آیا تو انتظام ہوا۔

ان کا خیال آیا تو لاؤڈ سپیکر لگا۔

ان کا خیال آیا تو آدمی آئے۔

ان کا خیال آیا تو بلب لگے۔

ان کا خیال آیا تو جھنڈیاں لگیں۔

ان کا خیال آیا تو قمقمہ لگا۔

اور اگر ان کا خیال نہ آتا تو مقصود نہیں تھا اور اگر کوئی مقصد نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا اور اگر کملی والے مصطفےٰ ﷺ مقصد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

صاحبزادہ صاحب کے محبوں نے ان کے لئے جلسہ کیا۔

خدا کہنے لگا میں نے بھی محفل میلاد کرنی ہے۔

آپ نے صاحبزادہ کے لئے دریاں بچھائیں کپڑے کی۔

خدا نے اپنے محبوب کے لئے دریاں بچھائیں زمین کی۔

آپ نے شامیانے لگائے کپڑے کے۔

خدا نے شامیانے لگائے آسمانوں کے۔
آپ نے قمقمے لگائے بجلی کے۔
خدا نے قمقمے لگائے ستاروں کے۔
آپ نے ٹیوبیں جلائیں بجلی کی۔
خدا نے ٹیوبیں جلائیں شمس وقمر کی۔
آپ نے اپنے جلسے کے لئے جھنڈیاں لگائیں کاغذ کی
خدا نے جھنڈیاں لگائیں گلاب کی کلیوں کی۔
پھول ہیں گلشن میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے،اودے، نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن

خدا نے اشتہار بھیجے:

جلسہ سج گیا۔ جلسہ سنور گیا۔ اشتہار چھپنے کی باری آئی آپ نے اشتہارات پریس میں چھاپے اور دیواروں پر لگائے۔
خدا نے کہا میں اشتہار بھیجتا ہوں "صحف ابراہیم" کے۔
میں اشتہار بھیجتا ہوں تورات کے۔
میں اشتہار بھیجتا ہوں "انجیل" کے۔
توریت بھی مصطفےٰ کا اشتہار ہے۔
انجیل بھی مصطفےٰ کا اشتہار ہے۔
زبور بھی کملی والے مصطفےٰ کا اشتہار ہے۔
صحف ابراہیم بھی میرے کملی والے کا اشتہار ہے۔

انبیاء نے جلسہ کیا:

جلسہ گیا سج ---- اشتہار گئے لگ ---- بجلی گئی جل ---- جھنڈیاں لگ گئیں ---- محفل گئی بن ---- سامعین آگئے ---- کام لیٹ ہو گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ارشاد فرمایا: آپ جا کر اعلان کریں کہ صدر جلسہ آئے گا تو رونقیں بڑھ جائیں گی۔ آپ سب انتظار فرمائیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ تشریف لائے۔
حضرت یعقوب علیہ السلام تشریف لائے۔
حضرت ایوب علیہ السلام تشریف لائے۔
حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے۔
سب انبیاء آتے گئے اور اعلان کرتے گئے۔
آتے گئے اور اعلان کرتے گئے۔
جب کام مزید لیٹ ہو گیا تو مجمع اور زیادہ سج گیا۔
ہر چیز مکمل ہو گئی، انتظام مکمل ہو گیا تو جلسے والے کہنے لگے۔
اب چونکہ انتظام مکمل ہے تو آنے والا آخر کیوں نہیں آتا
کرسی خالی پڑی ہے صدر جلسہ آتا کیوں نہیں۔
جس کے لئے ہم نے یہ سب انتظام کیا ہے آتا کیوں نہیں۔

انبیاء اعلان کر رہے ہیں:

خدا تعالیٰ نے کہا موسیٰ کلیم ہے ---- کلیم کہتے ہیں بولنے والے کو ---- آپ نے کہا جلدی نہ کریں ---- موسیٰ کو حکم ہوا کہ جا کے

نعت خوانی کرو۔۔۔۔۔اور اعلان کرو کہ آنے والا آرہا ہے۔ وہ آئے گا اور محفل سجائے گا۔ تمہاری تصدیق کرے گا، تزکیہ کرے گا اور جہاں سے تم آئے ہو وہاں تک پہنچائے گا۔

محفل سج گئی اور جلسہ کی رونق بڑھ گئی۔

انتظار کی گھڑیاں:

لوگ پریشان ہو گئے کہ ہم جس کے لئے جمع ہوئے ہیں وہ اپنی محفل میں کیوں نہیں آرہا اب انتظار بہت مشکل ہو رہا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب تم جاؤ اور کہو کہ اب اور کوئی نہیں آئے گا۔ بلا تمہید وہی آئے گا، جو صدر بزم ہے، جو رونق محفل ہے، جو منزل مقصود ہے۔

اب وہی آئے گا جس کی محفل لگی ہوئی ہے سجی ہوئی ہے جس کے لئے جلسہ سجایا گیا ہے وہی آئے گا اب اور کوئی نہیں آئے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر اعلان کیا۔

ومبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد

کہتے تھے صدر جلسہ نہیں آرہا۔ رونق محفل نہیں آرہا۔ روح کائنات نہیں آرہا۔۔۔۔۔شاہکار تخلیق نہیں آرہا۔۔۔۔۔محبوب کائنات نہیں آرہا۔۔۔۔۔بزم کائنات کی رونق نہیں آرہا۔۔۔۔۔پھر وہ آگیا اور کرسی پر بیٹھ گیا اور جلسہ مکمل ہو گیا۔

آپ لوگ مجھے بتائیں کہ یہ مسجد میں جلسہ تھا۔ صاحبزادہ صاحب آپ کے آنے سے پہلے ہی چلے جاتے تو یہ جلسہ کامیاب ہوتا (نہیں، نہیں نہیں) تو اگر مقصود چلا جائے تو جھنڈیاں چاہے پھٹ جائیں، تمام نظام خراب ہو جائے تو بھی کوئی غور نہ کرے، اسی لئے مقصود محفل جو ہوتا ہے وہ بعد میں ہی آتا ہے تاکہ جلسہ کی رونق قائم رہے۔

جلسہ مکمل ہو گیا تقریر ہو گئی وہ سب سے بعد میں آیا۔ یہ بات یاد رکھیں جو سب سے پہلے آئے وہی سب سے بعد میں آتا ہے۔

جوہر کائنات کی آمد:

مثلاً جٹ نے زمین میں بیج بویا اور پانی دیا کونپل نکلی۔ میں نے جٹ کو مبارک باد دی۔ اس نے جواب دیا شاہ جی ابھی مبارک باد کا کیا فائدہ۔ ابھی پتہ نہیں اولے پڑنے ہیں یا کیا ہونا ہے۔ گندم ہوتی ہے یا نہیں۔

کونپل بڑھی اس میں سے پتے نکلے۔ میں نے جٹ کو مبارک باد دی۔ لیکن اس نے پھر بھی قبول نہ کی۔

پودا اور بڑا ہوا مبارک باد پھر بھی قبول نہ کی

جب پودا مکمل ہو گیا اور بالیاں لگ گئیں وہ پھر بھی کہنے لگا شاہ جی ابھی مبارک باد کا کچھ فائدہ نہیں۔ آپ مبارک باد دینے میں تھوڑا توقف کریں جب بالیوں پر دانہ لگا، کونسا دانہ وہی دانہ جو زمین میں بویا گیا تھا، جو دانہ جٹ نے زمین میں پہلے بویا تھا تو جٹ خوش ہو گیا۔

دین مکمل ہو گیا:

قانون فطرت الٰہیہ کے مطابق آہستہ آہستہ اپنی شکلیں تبدیل کرتا ہوا کبھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ذریعے

کبھی حضرت ایوب کے ذریعے

کبھی حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے ذریعے

کبھی حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ذریعے

کبھی حضرت عیسیٰ روح اللہ کے ذریعے فیض پہنچاتے پہنچاتے۔

وہی دانہ جو کشت نبوت میں بویا گیا وہ آخر پر ظاہر ہو گیا۔

جب بالی پر آخری دانہ آجائے تو جٹ کہتا ہے اب میرا کام مکمل ہو گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا کہ اب کائنات مکمل ہو گئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً ۔ (سورہ مائدہ آیت۔3)

قانون تبدیل نہیں ہو سکتا:

دین مکمل ہو گیا۔۔۔۔۔دین کامل ہو گیا۔۔۔۔۔مقصد پورا ہو گیا۔۔۔۔۔منزل مل گئی۔۔۔۔۔جو ملنا تھا مل گیا۔۔۔۔۔مسافر منزل پر پہنچ گیا۔۔۔۔۔اس نے جو لینا تھا لے لیا۔۔۔۔۔حرام حرام ہو گیا۔۔۔۔۔حلال حلال ہو گیا۔

اب کوئی قانون تبدیل نہیں ہوسکتا۔۔۔۔ نہ کوئی فرشتہ آسکتا ہے۔۔۔۔ نہ وحی آسکتی ہے۔۔۔۔ اب کوئی تشنگی باقی نہیں رہی۔۔۔۔ کوئی بھوک نہیں رہی۔۔۔۔ نظام کائنات کی تکمیل ہوئی۔۔۔۔ تکمیل مدعا ہوگئی۔۔۔۔ جو ملنا ہے یہیں سے ملنا ہے۔۔۔۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

نسخہ موجود ہے۔۔۔۔ خواہ پیئو یا نہ پیو۔

غذا موجود ہے۔۔۔۔ خواہ کھاؤ یا نہ کھاؤ۔

رہبر موجود ہے۔۔۔۔ خواہ اتباع کرو یا نہ کرو۔ یہ تمہاری اپنی قسمت کی بات ہے۔۔۔۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔

پھر کیا ہوا؟ جوش ملیح آبادی مر گیا ہے لیکن کیا خوب بات کہہ گیا۔

آ گیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسول
روح خلوت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسول
جس کی حد ہے بزم شان آسمانی وہ رسول
موت کو جس نے بتایا زندگانی وہ رسول
محفل سفا کی و وحشت کو برہم کر دیا
جس نے خوں آشام تلواروں کو مرہم کر دیا
فقر وہ حاصل کہ رشک کجکلا ہی وہ رسول
گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسول
جس کی ہر اک سانس قانون الٰہی وہ رسول
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسول
جس نے قلب تیرگی سے نور پیدا کر دیا
جس کی جاں بخشی نے مردوں کو مسیحا کر دیا
واہ! کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر
حشر تک طالع رہے گی تیرے جلووں کی سحر
تو نے ثابت کر دیا اے ہادیٔ نوع بشر
مرد یوں مہریں لگاتے ہیں جبین وقت پر

میلاد سنت خدا ہے:

اللہ تعالیٰ نے محفل میلاد کی، ہم نے اللہ تعالیٰ کی سنت ادا کی۔

اس نے زمین کی دریاں بچھائیں۔ ہم نے کپڑے کی دریاں بچھائیں۔

ہم نے جلائیں بجلی کی ٹیوبیں، اس نے جلائیں شمس و قمر کی ٹیوبیں۔

اس نے بھی گلدستے رکھے ہم نے بھی گلدستے رکھے۔

ہم نے بھی لوگوں کو بلایا، اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔

ہم نے جلسے کے لئے جگ میں پانی رکھا، اس نے راوی اور چناب میں پانی بھیجا۔

ہم نے کاغذ کے اشتہار بنائے، اللہ نے آسمانی کتب بھیجیں۔

ہم نے نعت خوانوں سے نعتیں پڑھوائیں، اللہ نے انبیاء سے مصطفےٰ کی نعتیں پڑھوائیں۔

محفل میلاد سنت خدا۔۔۔۔ محفل میلاد سنت کائنات۔۔۔۔

محفل میلاد سنتِ فطرت۔۔۔۔ یہ ساری دنیا محفل میلاد۔

محفل میلاد کرتے رہو گے تو دنیا قائم رہے گی۔۔۔۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں توفیق دیتا رہے اور اس نیاز کو قبول کرتا رہے۔

اختتامی کلمات:

صاحبزادہ صاحب، صدر بزم کا بیان خوبصورت ہوتا ہے۔ نوری صاحب تشریف لے آئے ہیں۔ میں نے چہرہ دیکھا ہے کہ آج آپ کی

تقریر بہت تیار ہے اور گوجرانوالے والے کے لوگ۔ (سبحان اللہ)
انہوں نے جب دو چار نعرے لگائے تو آپ کی تھکاوٹ مسجد سے باہر جا گرے گی۔ ان کو تھکاوٹ اتارنے کا فن بھی آتا ہے۔۔۔۔اور تھکا دینے کا فن بھی آتا ہے۔۔۔۔جس کی تقریر سنی ہو اس کی تھکاوٹ بھی اتار دیتے ہیں۔
اہل گوجرانوالہ اہل ذوق ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ہم نے انہیں تقریر سنا سنا کر ان کے ذہن کو جلا بخشی ہے۔
یہ لوگ مقرر کو اور زیادہ آمادہ تقریر کر دیتے ہیں۔
آپ یقیناً خوش ہوں گے۔
حضرت صاحبزادہ صاحب ایک عظیم روحانی بادشاہ جن کا فیض ملک گیر ہے ان کی اولاد سے ہیں۔
میرا ایمان ہے:
جیسے میں نے بتایا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا بندہ (ولی) بیٹھ جائے اس جگہ پر برکت۔
جس اللہ کے بندے میں کسی اللہ کے بندے کا لہو۔
جس اللہ کے بندے میں کسی غوث کا خون ہو۔۔۔۔اس کے جسم میں برکت۔
میں صرف ان سے ملنے آیا تھا۔
نہ تقریر کے لئے آیا تھا نہ وعظ کے لئے۔
قبلہ نوری صاحب کا حسین وجمیل۔۔۔۔مقفّٰی مسجع بیان سن کر خوش ہوا ہوں۔
وما علینا الا البلاغ المبین۔

☆☆☆

عہد جدید میں مطالعہ سیرت النبی ﷺ کی اہمیت

(حصہ سوم)

پروفیسر سید عبدالرحمٰن بخاری

۶۔ سیرت طیبہ کے کسی واقعہ کسی مظہر کو سطحی نظر سے کبھی نہ دیکھئے

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا:

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (ھود: ۲۷)

''اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہو تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں''۔

اس آیت میں ﴿بادئی الرای﴾ کے الفاظ بہت اہم ہیں۔ یعنی ظاہری طور پر سرسری نظر سے دیکھیں تو اے نوح آپ کی پیروی نہیں کی مگر اُن لوگوں نے جو ہم میں سے کم تر حیثیت کے ہیں۔ قرآن مجید میں قوم نوح کے اس بیان کو ذکر کرنے کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالی ہر نبی کی امت کو ایک سبق دینا چاہتا ہے: یہ سبق کہ پیغمبر کی ذات کو کبھی سرسری، سطحی اور ظاہر بین نظر سے مت دیکھو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے کیونکہ تم اُسے صرف بشر سمجھو گے، اُس کے ساتھ فرشتوں کو نہیں دیکھ پاؤ گے۔ روحانی عظمتوں کا انکار کرو گے، رسالت کا رخ اوجھل رہے گا، تعلق باللہ کی گہرائیاں محسوس نہیں ہوں گی۔ پیغمبر کو معاذ اللہ کھانا کھاتا دیکھ کر نبوت کا انکار کر بیٹھو گے۔ اس کے بارے میں گستاخانہ کلمات کہہ گزرو گے، اُس کے علم غیب کا انکار کرو گے۔ پس نبی کی ذات کو سرسری نظر سے کبھی نہیں دیکھنا چاہیے۔

۷۔ بعض واقعات سیرت حضور ﷺ کے لئے نہیں، اصلاح اُمت کیلئے رونما ہوئے

حضور اکرم ﷺ کی سیرت چونکہ مصدر تشریع ہے؛ اس لئے بہت سے واقعات کو حضور اقدس ﷺ کی شخصیت کے تناظر میں دیکھنے کی بجائے تشریع کے حوالے اور ضروریات کی نسبت سے دیکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کا وقوع حضور اکرم ﷺ کے لئے نہیں بلکہ اوروں کے حوالے سے ہے۔ سیرت طیبہ کے ہر اُس واقعہ میں جہاں بشریت اور اُس کے تقاضے جھلک رہے ہیں یا جہاں انسانی سطح پر معاشرتی عوامل کو اختیار کیا گیا جیسے طائف کا سفر، جیسے معاہدات امن، جیسے صلح حدیبیہ، جیسے غار ثور ان سب کا محور نبی اکرم ﷺ کی اپنی ذات ہرگز نہیں بلکہ صرف اور صرف بعد میں آنے والے انسانوں کے لئے ایسے ممکنہ احوال میں رہنمائی کا اسوہ اور نمونہ مہیا کرنا مطلوب ہے ورنہ اللہ تعالی نے حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی کو پہلے ہی:

وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ: ۶۷)

''اور اللہ تعالی بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے''۔

کا وعدہ دے دیا ہے۔

سیرت نگاروں کی غلطی یہ ہے کہ وہ ان واقعات سیرت کو حضور سید عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے شخصی اور ذاتی واقعات اور احوال کے طور پر بیان کرتے ہیں جبکہ مشیت الٰہی ہرگز ایسا نہیں چاہتی۔ اللہ تعالی نے ان واقعات و احوال کو حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ گرامی سے متعلق نہیں رکھا بلکہ آپ ﷺ کا وجودِ گرامی ان واقعات میں صرف وسیلہ اور ذریعہ ہے لوگوں کی رہنمائی کے لئے۔ بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں اپنی ذات کے حوالے سے بہت سے اعلانات، اقدامات، تدابیر اور احوال و اصاف بیان کئے جیسے مخلوقات کی قسم اُٹھانا، جیسے گالی دینا، جیسے مثالیں بیان کرنا، جیسے کفار کے ساتھ خطاب کا انداز ہے، مجادلہ ہے، جیسے مخالفوں کے ساتھ برابر کی سطح پر اتر کر گفتگو کرنا یہ سب اللہ تعالی کے ذاتی اوصاف و احوال نہیں بلکہ انسانوں کے لئے خدا کی رہنمائی کا سامان ہیں۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی پوری سیرت مطہرہ کا مطالعہ مشیت الٰہی کی سطح پر حکمت ربانی کے آئینے میں اسوۂ حسنہ اور رہنمائی کے سامان کے طور پر کیا جانا چاہئے۔

۸۔ سیرت طیبہ کا ہر واقعہ اسباب و عوامل کے فطری بہاؤ سے جڑا ہے

سیرت طیبہ کا ہر واقعہ اسباب اور اثرات سے جڑا ہوا ہے۔ کوئی بھی واقعہ اپنے اسباب و عوامل اور نتائج و اثرات کے بغیر دنیا میں رونما نہیں ہوتا مگر سیرت نگاروں کا المیہ یہ ہے کہ وہ سیرت طیبہ کے واقعات کو اسباب و اثرات سے مجرد کر کے بیان کرتے ہیں، ایسے سپاٹ طریقے سے جیسے یہ زندگی کی فعالیت نہیں تھی، بس واقعات کی اتفاقی کڑیاں تھیں۔ ہر کڑی دوسری سے الگ، بس ایک بہاؤ ہے جس میں حوادث ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں؛ باہم ان کا کوئی ربط و تعلق نہیں۔

محدثین کا کام صرف واقعات، روایات، احادیث کو بغیر کسی زمانی ترتیب، بغیر کسی نتیجے کے صرف بیان کر دینا ہے اور انہوں نے یہ کام انتہائی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا مگر بعد میں آنے والے سیرت نگاروں نے اس معاملہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا تو درکنار، سمجھا ہی نہیں۔ بعد کے سیرت نگار کتب احادیث کے ان واقعات و احوال کو توجیہ و توضیح، ربط و ترتیب اور اسباب و اثرات کا جائزہ لئے بغیر یونہی سرسری طور پر نقل کرتے چلے گئے۔ اُن کا فرض تھا کہ ہر واقعہ کو دوسرے سے جوڑ کر، کڑیاں ملا کر واقعات کا فطری بہاؤ اجاگر کرتے۔ مختلف

واقعات کی رفتار، اثرات، نتائج ہر چیز پر توجہ دیتے، مگر ایسا نہیں ہوا۔

۹۔ عوارض بشریت ذات رسول ﷺ سے نہیں، انسانی رہنمائی کے احوال سے جڑے ہیں

حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں وہ تمام امور، احوال، واقعات، خصائل جو عظمت مصطفیٰ ﷺ کے اعلیٰ معیار سے فروتر محسوس ہوتے ہیں یا جو شان محبوبیت سے میل نہیں کھاتے جیسے کفار مکہ کے ظلم وستم کا نشانہ بننا، عوارض بشریت، جنگیں، تدابیر، معاملات، قرض، فقر، نسیان وغیرہ یہ سب صرف اور صرف اس لئے ہیں کہ انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ مہیا کیا جائے۔ ان تمام احوال وواقعات کے آئینے میں حضور سید عالم ﷺ کی عظمت شان میں کمی کے پہلو نکالنا قطعاً غلط اور گستاخی ہے۔ یہ سب خلاف معمول، ہنگامی، اضطراری اور استثنائی احوال ہیں۔ ان کا مورد و مقصد خود ذات رسول ﷺ نہیں بلکہ عام مخاطبین اور اولاد آدم ہے۔

انسانوں کی تربیت، ہدایت، نشوونما، تدریج، ارتقاء اور وہ تمام ممکنہ عوارض واحوال جو نسل انسانی کو پیش آسکتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ میں صرف اور صرف اس لئے رکھے ہیں تاکہ انسانیت کی رہنمائی کا سامان مہیا ہو سکے نہ یہ کہ وہ آپ ﷺ کی سیرت، شخصیت اور ذات کا اصل حصہ ہیں۔ ایسے تمام امور واحوال حضور اکرم ﷺ کی اصل شخصیت کا جوہری عنصر ہرگز نہیں ہیں، بلکہ خارجی عوارض واحوال ہیں۔ یہ عناصر شخصیت نہیں بلکہ عمل کی کیفیات ہیں۔ چونکہ یہ خارجی، بیرونی اور عارضی احوال ہیں اس لئے ان میں تسلسل وتکرار اور مواظبت ودوام بہت کم ہے اور جہاں کہیں تکرار ہے وہ بھی صرف اسوۂ عمل اور صحابہ کے تربیتی مقاصد وضروریات کی وجہ سے ہے۔

۱۰۔ عہد حاضر میں سیرت طیبہ کے ساتھ ہمارے تعلق کے حوالے سے ایک بات انتہائی کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آرہی ہے کہ واعظ، مدرس، مصنف حضرات اکثر وبیشتر ایک رٹے رٹائے فقرے کی طرح یہ نصیحت دہراتے چلے جاتے ہیں کہ محبت سے زیادہ اتباع ضروری ہے۔ اس بارے میں تمام مسلمانوں کو ایک بنیادی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے: یہ کہ محبت اور اتباع کی بات کرنے والا یہ شخص کس عقیدہ، کس مزاج، کس ذہنیت، کس سوچ، فکر اور طرز احساس کا حامل ہے؟ اگر وہ خوش عقیدہ، عاشق رسول ﷺ، صوفی منش انسان ہے تو یقین کر لیجئے کہ وہ اصلاح کی نیت سے اچھی بات کہہ رہا ہے، لیکن اگر وہ تنقیص رسالت کا مزاج رکھنے والا فاسد العقیدہ شخص ہے تو خوب پہچان لیجئے کہ اس بظاہر اچھی بات کے کہنے میں بھی اس کی بری نیت کارفرما ہے۔ وہ یہ فقرہ اتباع سنت کی اہمیت بتانے کے لئے نہیں بلکہ محبت رسول ﷺ کی اہمیت گھٹانے کے لئے بول رہا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ

كلمة حق اريد بها الباطل

"شخص ایک صحیح بات بری نیت سے کہہ رہا ہے"۔

اہل سنت وجماعت کے لوگوں کا اتباع سنت پر بات کرنا خوب تر ہے اور بات نہ کرنا نقص ہے کیونکہ ان کے ہاں محبت موجود ہے؛ اب اُس کی تکمیل کے لئے اتباع سنت پر توجہ درکار ہے۔ لیکن ایسے فرقے جو تنقیص رسالت کا مزاج رکھتے ہیں، ان کا ہر وقت اتباع سنت پر بولتے رہنا نقص ہے کیونکہ ان کی نیت میں فتور ہے۔ وہ اتباع کی بات محبت کے مقابلے میں کرتے ہیں، محبت سے آگے بڑھ کر تکمیل کے لئے نہیں کرتے۔ اُن کے ہاں یہ حب علی نہیں بغض معاویہ کے مصداق ہے۔ اتباع سنت کا تذکرہ ایسے فرقوں کے ہاں تکمیل محبت کے لئے نہیں بلکہ محبت سے صَرفِ نظر کے لئے ہے اور اسی باعث گمراہی ہے۔

اصل یہ ہے کہ بات کی شرعی حیثیت قائل کے مزاج ومسلک کے مطابق متعین ہوتی کہ اس بات کو کہنے والا کون ہے۔ ایک ہی بات کو کہنے والا اگر مسلمان ہو تو بات کا مفہوم اور ہوتا ہے اور وہی بات کہنے والا اگر کافر ہو تو مفہوم اور ہوتا ہے۔ جیسے اگر کوئی مسلمان کہے کہ ﴿انبت الربيع البقل﴾ "یعنی بہار نے سبزہ اگایا" تو یہ بات غلط نہیں ہے کیونکہ وہ خدا کو مانتا ہے لیکن اگر یہی جملہ کافر بولے تو اُس کی مراد الگ ہے کیونکہ وہ حقیقی خدا کو نہیں مانتا لہٰذا وہ بہار ہی کو سبزے کا خالق سمجھتا ہے۔ اسی طرح یہ بات سمجھ لیجئے کہ تنقیص رسالت کا مزاج رکھنے والے واعظین، مدرسین، محققین سب کے سب ہمیں کثرت کے ساتھ اتباع سنت پر گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وہ اتباع سنت کی اہمیت اجاگر کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس خوبصورت فقرے کی آڑ میں وہ درحقیقت اہل ایمان کے دلوں میں موجزن عشق مصطفیٰ ﷺ کے جذبات سرد کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے سینوں میں مچلتے یادِ مصطفیٰ ﷺ کے ولولے گھٹا دینا چاہتے ہیں۔ وہ ہماری دھڑکنوں میں رچی تصویر مصطفیٰ ﷺ کی تپش وحرارت کو بجھا دینا چاہتے ہیں۔ اے میرے اہل محبت دوستو! ان لوگوں کی فاسد نیتی کو اچھی طرح پہچان لیجئے اور ان سے بچ کر رہیئے۔

محبت رسول ﷺ ہمارا ایمان ہے اور اتباع سنت ہماری منزل مقصود ہے۔ ہم زندگی بھر قدم قدم اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے رہنا چاہتے ہیں لیکن اس سفر میں اپنے ایمان کو کسی طور گنوانا نہیں چاہتے۔

ا۔ مطالعہ سیرت کے لمحے کائنات دل ساری جذبوں میں تحلیل ہو جائے

عام طور پر ہم سمجھتے ہیں کہ "مطالعہ" صرف پڑھنے کا نام ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ "سمجھ کر پڑھنے" کا نام ہے۔ کچھ لوگ ذرا بہتر احساس رکھتے ہیں اور مطالعہ کو "عمل کے لئے سیکھنے" سے تعبیر کرتے ہیں، ورنہ عوام کی اکثریت تو عمل کے لئے بس سننے ہی پر اکتفا کرتی ہے۔ ایک انتہائی محدود طبقہ محققین کا ہے جو مطالعہ صرف "حوالے" ڈھونڈنے کے لئے کرتے ہیں؛ یا پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ "مختلف افکار و نظریات کا تجزیہ کرنے کے لئے" تا کہ اگر غلط محسوس ہوں تو ان پر تنقید کریں یا اگر صحیح نکلیں تو "اپنا کر آگے پھیلائیں"۔ یہ ہے تحقیقی مقاصد کے لئے مطالعہ (Research Study) جو اسلامی معاشرہ میں بہت کم بلکہ دھیرے دھیرے عنقا ہوتا جا رہا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کی بہت بڑی تعداد تو زمانہ طالب علمی سے فارغ ہوتے ہی مطالعہ کو ایک بوجھ سمجھ کر ہمیشہ کے لئے خود کو اس سے آزاد کر لیتی ہے۔ خواندہ اور نیم خواندہ طبقہ کی غالب اکثریت البتہ "تفریحی مطالعہ" (Pleasure Study) کا شغل اپنا لیتی ہے اور یہ شغل عموماً عمر بھر جاری رہتا ہے۔

قارئین محترم! یہ ہے مطالعہ کا عمومی تصور۔ اب ذرا خود ہی سوچئے! کیا قرآن، حدیث اور سیرت کا مطالعہ صرف انہی مقاصد کے لئے ہونا چاہیے۔ کیا یہ فقط تعلیمی، تحقیقی یا تفریحی موضوعات ہیں۔ ہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ عملی موضوعات ہیں اور ان سب کا مطالعہ ہم عمل ہی کے لئے کرتے ہیں۔ بجا کہ مسلمان بنیادی طور پر عمل کے لئے سیکھنے کی خاطر ہی قرآن، حدیث اور سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں اور ایسا ہی کرنا چاہیے لیکن کیا صرف اور صرف اتنا ہی کرنا چاہیے؟ کیا عمل سے آگے کوئی اور مقصد نہیں جس کے لئے ان کا مطالعہ کیا جائے؟ ہو سکتا ہے آپ بہت سے مقاصد گنوا دیں جیسے محبت، تعلق، قرب اور عبادت وغیرہ۔ بالکل صحیح۔ یہ بھی انتہائی اعلیٰ مقاصد ہیں قرآن، حدیث اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے کے لئے۔ مگر میں آج اپنے قارئین کے ساتھ ان اعلیٰ مقاصد سے ذرا ہٹ کر بات کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ "وکھری۔ اپنے دل کی بات"۔

تو قارئین محترم! قرآن، حدیث اور سیرت کا مطالعہ کرتے رہیے۔ ان سبھی اعلیٰ مقاصد کے لئے جو اوپر گنوائے گئے اور جو ان کے علاوہ آپ کے ذہن و دل میں کبھی پھوٹیں؛ مگر ایک کام اور بھی کیجئے:

اپنا آپ گنوا دینے کا کام۔ خود کو اس مطالعہ میں لٹا دینے کا کام۔ اپنا تن من سب کچھ اس میں گھلا دینے کا کام۔ کچھ اس طرح کہ نہ مطالعہ باقی بچے اور نہ مطالعہ کرنے والے کی شخصیت۔ سب کچھ ڈوب جائے قرآن، حدیث اور سیرت کی پہنائیوں میں۔ نہ خبر ہو آس پاس کی اور نہ اپنے آپ کی"

قارئین محترم! بات صرف توجہ اور دھیان کی نہیں، بلکہ جذبوں اور احساسات کی ہے۔ ذہن، دل اور روح کی ہے۔ وجود اور پندار کی ہے۔ عقل اور حواس کی ہے۔ شعور اور ادراک کی ہے۔ وجدان اور ماورائے حواس ادراک (Extra sensory preception) کی ہے۔ غرض جو کچھ اور جتنے اثاثے ہمارے پاس ہیں، سب قرآن، حدیث اور سیرت کی نذر کر دیں۔ حدیث پاک تو سیرت اطہر میں شامل ہے۔ سو آئیے! ہم قرآن مجید اور سیرت مطہرہ کی بات کریں۔ قرآن حکیم کے مطالعہ بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (بقرہ:۱۲۱)

"جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا تلاوت کا حق ہے"۔

اس آیہ مقدسہ میں قرآن حکیم کے حوالے سے دو باتیں کہی گئی ہیں: ایک تو اس کے مطالعہ کا نام "تلاوت" رکھا گیا ہے۔ عام طور پر تلاوت صرف "الفاظ کی حسن قرأت" کو کہا جاتا ہے مگر خود اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نص قطعی کے ذریعے "تلاوت کا وسیع اور لامحدود مفہوم" اجاگر کر دیا ہے۔ فرمایا: ﴿یتلونہ حق تلاوتہ﴾ یعنی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسے کہ حق ہے اس کی تلاوت کا۔ اور یہاں اس آیت کے سیاق و سباق میں بیان کا تناظر "الفاظ کی قرأت" ہرگز نہیں بنتا جیسا کہ اس آیہ مقدسہ کی تعبیر، اسلوب اور محل خطاب ہی سے ظاہر ہے۔ پس "تلاوت سے مراد قرآن کو سمجھنا اور پانا ہے"۔ آئیے! ذرا خود سے پوچھیں کہ تلاوت کا حق کیونکر ادا ہو سکتا ہے؟ مجھے تو بس وجدان سے یہی جواب ملا ہے کہ "اپنا آپ پوری طرح قرآن کے سپرد کر دینے سے "حق تلاوت ادا ہوتا ہے۔ جب انسان ایسا کر لیتا ہے تو پھر قرآن کی تلاوت اسکی پلکوں میں نمی بھر دیتی ہے، نہیں بلکہ اسکی آنکھوں سے اشکوں کا سمندر پھوٹ پڑتا ہے۔ خود قرآن ہی کے الفاظ میں:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (مائدہ:۸۳)

"یعنی جب وہ سنتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے وہ کلام جو اتارا گیا ان کی طرف تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں"

اور یہ حالت تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بیان کی ہے جو ابھی قرآن پر ایمان نہیں لائے۔ خود سوچئے! بھلا اہل ایمان کی حالت کیا ہوتی

چاہیے۔ ہوسکتا ہے آپ کا شعور اس تعبیر تک جا پہنچے کہ: ''اہل ایمان تو قرآن کی تلاوت کے دوران بے اختیار روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں'' مگر ٹھہریئے! قرآن نے تو یہ حالت بھی قرآن کو نہ ماننے والے یہود و نصاریٰ کی بتائی ہے۔ فرمایا:

وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا (اسراء:۱۰۹)

''یعنی وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کے دل کی خشیت بڑھاتا ہے''۔

تو اس کا مطلب یہ رہا کہ اہل ایمان کی تلاوت اس سے بھی بڑھ کر بلکہ بہت بڑھ کر ہونی چاہیے۔ ہاں ایک تعبیر ہمیں قرآن حکیم میں اور بھی ملتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (زمر)

''یعنی اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک جیسی ہے۔ بار بار دہرائی جانے والی۔ اس (کی تلاوت) سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں ان کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل نرم ہوجاتے ہیں اللہ کے ذکر کی طرف''۔

قارئین محترم! کچھ دیر اس آیت پر ٹھہریئے! اور اس کا مفہوم، اس کی معنویت اور اس کے تاثر کی گہرائی اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کیجئے۔ ہوسکے تو اپنی روح کی پاتال میں انڈیلئے۔ اپنے وجود کے رگ و ریشے میں پرو لیجئے۔ اپنے خون اور خمیر میں گوندھ لیجئے۔ شاید یہیں سے تلاوت قرآن اور مطالعہ سیرت کے ایک نئے سفر کا آغاز ہوجائے۔

۲۔ تلاوت قرآن میں تاثیر نسبت رسول ﷺ سے اُبھرتی ہے

قارئین محترم! یہ تو ہے قرآن کی تلاوت اور وہ بھی بس ایسی کہ ''کچھ سمجھ آجائے، کچھ اثر ہوجائے''۔ ادھر حالت یہ ہے کہ ہم تو شاید اس مقام تک پہنچتے پہنچتے اپنی نقد عمر ساری گنوا بیٹھیں اور حق تلاوت، حق مطالعہ کی ابھی پہلی منزل ہی سر نہ ہونے پائے۔ قرآن کے حق تلاوت کا آخری مقام تو صرف نبی کریم ﷺ ہی کو نصیب ہے، جن کی سیرت قرآن کی تفسیر ہے اور قرآن ان کی سیرت کا بیان اور یہ رشتہ زمین پر آکر نہیں جڑا بلکہ تخلیق اول کے لمحے سے قائم ہے۔ اُمّ سیرت انسائیکلوپیڈیا میں آگے ایک مضمون قرآن اور سیرت کے باہمی تعلق پر آرہا ہے، یہاں اس کے چند اقتباسات موقع کی مناسبت سے ناگزیر محسوس ہوتے ہیں کیونکہ مطالعۂ قرآن کے ساتھ ہمیں اب مطالعۂ سیرت کی بات کرنی ہے اور یہ بات تبھی مکمل سکتی ہے جبکہ پہلے قرآن اور سیرت کا باہمی تعلق آشکار ہوجائے۔ تو لیجئے پڑھئے ایک اقتباس:

قرآن حکیم اور ذات رسالت مآب ﷺ دونوں خدا کے شاہکار ہیں اور ظاہر ہے کہ شاہکار ہی شاہکار کا بیان ہوسکتا ہے۔ سو دیکھو محمد ﷺ جلوۂ ذات کبریا ہیں اور قرآن اس تجلی کا آئینہ۔ وہ ﷺ پیکر نور ہیں اور یہ لباس نور۔ محمد ﷺ سر وحدت ہیں اور قرآن اس کی تفسیر۔ وہ ﷺ مظہر حقیقت ہیں اور یہ اس کی تعبیر۔ محمد ﷺ کمال تخلیق اور قرآن اس کی تبیین۔ وہ ﷺ روح قدرت ہیں اور یہ اس کی تصویر۔ یوں محمد ﷺ اور قرآن نور مطلق کی دو شعاعیں ہیں اور ام المومنین کے بیان ﴿کان خلقه القرآن﴾ سے ظاہر ہے کہ دونوں باہم دگر مربوط ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت قرآن سے چمکتی ہے اور قرآن ان ﷺ کی سیرت سے کھلتا ہے۔ قرآن کے بغیر سیرت کا مطالعہ ادھورا اور تصور مصطفیٰ ﷺ کے بغیر قرآن کی تلاوت شیوۂ کفر۔ کون نہیں جانتا کہ رسول ﷺ کے بغیر قرآن اپنی شناخت ہی کھو دیتا ہے۔ قرآن اگر خدا عزوجل کا پیغام ہے تو مصطفیٰ ﷺ پیغامبر۔ قرآن وحی الٰہی ہے تو حضور ﷺ کا سینہ مہبط وحی۔ قرآن لفظ ہے تو محمد ﷺ اس کا معنی۔ قرآن معنی ہے تو محمد ﷺ اس کا مقصد۔ قرآن مقصد ہے تو محمد ﷺ اس کا حاصل اور قرآن حاصل ہے تو محمد ﷺ اس کا جوہر۔ قرآن اگر قرأت ہے تو محمد ﷺ اس کے قاری۔ قرآن اگر شریعت ہے تو محمد ﷺ صاحب شریعت۔ قرآن صحیفۂ انقلاب ہے تو محمد ﷺ رہبر انقلاب۔ قرآن ہدایت ہے تو محمد ﷺ سرچشمۂ ہدایت اور قرآن حرف حرف معجزہ ہے تو محمد ﷺ صاحب اعجاز ہی نہیں خود مجسم اعجاز ہیں۔ ظاہر باطن اعجاز۔ نفس نفس اعجاز اور قدم قدم اعجاز۔ الغرض حاصل یہ کہ محمد ﷺ سراسر پرتو جمال حق ہیں اور قرآن سراپا تذکار محمد ﷺ۔

حضور اکرم ﷺ کی شخصیت منبع ہدایت، ان ﷺ کی سیرت سرچشمۂ تہذیب، ان ﷺ کی سنت مأخذ شریعت اور ان ﷺ کی خوشنودی سرمایۂ نجات ہے۔ رہا قرآن تو وہ سیرت مصطفیٰ ﷺ کا الوہی بیان ہے۔ اس کی سطر سطر میں حضور ﷺ کی شخصیت کے دھنک رنگ جگمگا رہے ہیں اور لفظ لفظ سے آقا ﷺ کی ادائیں جھلک رہی ہیں۔ محمد ﷺ ہمارے لئے دین لے کر آئے ہیں اور قرآن ہمیں سیرت محمدی ﷺ کے جلووں سے فیضیاب کرنے آیا ہے۔

قرآن جو خدا کا کلام ذاتی ہے اسے سنبھالنے کے لئے ایسا ہی وجود چاہیے تھا جو ذات وصفات الٰہی کا مظہر اتم ہو۔ یہ حرف حرف نور ذات

اسی کے دل پر اتر سکتا تھا جو سر تا بہ قدم نور ہو۔ یہ قطرہ قطرہ ابرِ رحمت کسی پیکرِ رحمت ہی کے سینے پہ برستا تھا۔ اس معجزنما کلام کو کوئی معجزنما شخصیت ہی اٹھا سکتی تھی۔ یہ بحرِ ناپیدا کنار کسی بیکراں ہستی کے ظرف ہی میں سما سکتا تھا۔ یہ بے عیب کتاب کسی بے عیب ذات ہی کو ملنا تھی۔ مخلوق کے نام خدا کا آخری پیغام وہی لا سکتا تھا جو برزخِ کبریٰ کی شان رکھتا ہو۔ اور

اے خوشا انکا محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ مقام
کوئی انسان و خدا کے درمیاں درکار تھا

علمِ قرآن کے لئے ایک خاص دل اور یگانہ وجود درکار تھا اور خدا نے پیکرِ مصطفیٰ ﷺ کو اسی سانچے میں ڈھال دیا۔ بہترین صلاحیت اور کمالِ مطلق سے آراستہ کیا۔ زبان و بیان کی انمول قدرتیں عطا کیں۔ حواس کی ماورائی قوتیں بخشیں۔ روح کی توانائیاں عرش و فرش پر حاوی کر دیں اور فیضانِ الوہیت کے سارے دروازے کھول دیئے۔ قرآن نوعِ انسانی کے نام خدا کا آخری پیغام ہے اور محمد ﷺ کا سینہ اس پیغام کا خزینہ۔ قرآن محض نزولِ وحی کا نام نہیں، خدا سے ہم کلامی کا شرف ہے اور محمد ﷺ خود تو براہِ راست اس شرف سے بہرہ ور ہیں اور مخلوق کی خالق سے ہم کلامی کا واسطہ بھی۔ یہ آپ ﷺ ہی کی شان ہے کہ اُدھر اللہ سے واصل، اِدھر مخلوق میں شامل۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم اتارا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنے محبوب ﷺ سے گفتگو کرتا رہے، ان ﷺ کے ذکر کو بلند کر دے اور ان ﷺ کے نام سے دنیا میں ہر سُو اجالا پھیلا دے۔ جبھی تو وہ قرآن میں اہلِ ایمان کے فکر و شعور کو اس حوالے سے آزماتا ہے کہ بظاہر جہاں جہاں اس نے اپنے محبوب کا ذکر نہیں کیا وہ وہاں بھی محبوبِ خدا ﷺ کا تصور باندھنے میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں''۔

قارئین محترم! اس طویل اقتباس سے ایک بات تو واضح ہو گئی کہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا سب سے پہلا اور سب سے اعلیٰ بیان خود قرآن ہے۔ پس قرآن کو پڑھتے ہوئے انسان درحقیقت سیرتِ مصطفیٰ ﷺ پڑھ رہا ہوتا ہے۔ قرآن کی تلاوت، فی الواقع سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا مطالعہ ہے۔ یہی حقیقت ہے اور یہی خدا کی منشاء۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو سیرتِ طیبہ کا بیان اور سیرتِ پاک کو قرآن حکیم کی تفسیر اس لئے بنا دیا ہے کہ لوگ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکیں۔ قرآن کی تلاوت سیرت سے جڑی ہوئی ہے اور سیرت کا مطالعہ قرآن سے جڑا ہوا۔ تلاوتِ قرآن کی تاثیر فہمِ سیرت سے ابھرتی ہے اور سیرت کا فہم قرآن کے بیان سے کھلتا ہے۔ مصطفیٰ ﷺ جب قرآن کی تلاوت کرتے تو سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، دل نرم پڑ جاتے، آنکھوں سے اشکوں کا سیلِ رواں پھوٹ پڑتا اور بدن بے اختیار سجدے میں گر جاتے۔ ایک بار پھر پڑھئے قرآن حکیم کی وہ آیاتِ مقدسہ جو اوپر گزریں۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ (مائدہ:۸۳)

''یعنی جب وہ سنتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے وہ کلام جو اتارا گیا ان کی طرف تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں''۔

دیکھئے ان آیاتِ مقدسہ میں کتنی واشگاف تصریح ہے کہ انسانوں کے دلوں میں قرآن کی تاثیر از خود نہیں پھوٹتی بلکہ مصطفیٰ ﷺ کی تلاوت سے اترتی ہے۔ ان کی سماعتوں اور دلوں کا رشتہ جب مصطفیٰ ﷺ کے وجودِ اطہر کے ذریعہ، آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے وسیلہ سے اور آپ ﷺ کی سیرتِ پاک سے ہو کر قرآن سے جڑتا ہے، تب ان کے وجود میں قرآن کی تاثیر جگمگاتی ہے اور یہ تاثیرِ تلاوتِ مصطفیٰ ﷺ کی ہوتی ہے۔ مصطفیٰ ﷺ کا قرآن پڑھنا آپ ﷺ کی سیرت ہے۔ سو یہ تاثیر سننے والوں کے دلوں میں مصطفیٰ ﷺ کی سیرت سے اترتی ہے۔

اب آیئے قارئین محترم! یہ بھی سمجھ لیں کہ جس طرح مصطفیٰ ﷺ کا قرآن پڑھنا آپ ﷺ کی سیرت ہے اور مصطفیٰ ﷺ کا قرآن پر عمل کرنا آپ ﷺ کی سیرت ہے؛ اسی طرح قرآن کے جو الفاظ مصطفیٰ ﷺ کی شان بیان کر رہے ہیں، آپ ﷺ کے اخلاق، شمائل اور احوال بیان کر رہے ہیں، ان الفاظ کے معانی و مفاہیم بھی تو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں۔ پس مجھے کہنے دیجئے کہ قرآن دو چیزوں کا مجموعہ ہے: الفاظ اور معانی۔ جب مصطفیٰ ﷺ تلاوت کریں تو سیرت قرآن کے الفاظ میں ڈھل جاتی ہے اور جب قرآن پاک مصطفیٰ ﷺ کی سیرت بیان کرے تو قرآن کے معانی سیرتِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈھل جاتے ہیں۔ یوں قرآن اور سیرت ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک دوسرے میں منعکس بھی۔ مصطفیٰ ﷺ کی تلاوت کے سبب قرآن کے الفاظ میں آپ ﷺ کی سیرت منعکس ہوتی ہے اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو بیان کرتے ہوئے قرآن کے الفاظ آپ ﷺ کی سیرت میں منعکس ہوتے ہیں۔ اس طرح قرآن کے مطالعہ میں سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی تاثیر شامل ہو جاتی ہے اور سیرت کے مطالعہ میں قرآن کی تاثیر آ جاتی ہے۔

۳۔ مطالعہ سیرت کی تاثیر ماورائے آفاق ہے

ہو سکتا ہے بعض قارئین کے ذہن میں اب بھی ایک خلش باقی ہو؛ یہ کہ سیرت کا مطالعہ قرآن کے علاوہ دیگر کتابوں سے بھی کیا جاتا ہے

اور وہ کتابیں انسانوں کی لکھی ہوتی ہیں لہذا ان کے الفاظ میں وہ تاثیر نہیں ہو سکتی۔ بالکل صحیح کہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتب سیرت میں وہ تاثیر نہیں ہو سکتی جو قرآن کے بیان سیرت میں ہے۔ لیکن سیرت کی اپنی تاثیر تو بہر حال موجود ہوتی ہے اور یہ تاثیر ہر جگہ یکساں ہوتی ہے۔ وہی تاثیر جو قرآن کے الفاظ میں بجلیاں بھر دیتی اور سننے والوں کو تڑپا کر رکھ دیتی ہے۔ تلاوت تو حضور اکرم ﷺ کا صرف ایک عمل ہے جو قرآن کے الفاظ میں اتنی غیر معمولی تاثیر پرو دیتا ہے تو کیا حضور اکرم ﷺ کے اَنگنت اعمال، اخلاق، شمائل، کمالات اور معجزات کے مسلسل اور مربوط تصور، مطالعہ اور بیان میں تاثیر نہیں ہوگی۔ یقیناً ہوگی اور بہت زیادہ ہوگی۔ دین کو اپنانے اور احکام شریعت پر عمل کرنے کا مقصد ہی کیا ہے آخر: یہی کہ صاحب شریعت، پیغمبر ہدایت، سید انس و جاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت اطہر کے پاکیزہ اثرات ہمارے ذہنوں، دلوں اور وجود کی گہرائیوں میں، ہمارے مزاجوں، طبیعتوں اور زندگیوں میں پوری طرح جذب اور تحلیل ہو جائیں۔

پس کیا حضور اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ کا علم حاصل کرنا اور کثرت کے ساتھ ذکر رسول ﷺ کا اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ کے اسی حکم کی تعمیل نہیں ہے۔ یقیناً ہے تو پھر یہ بھی جان لیجئے کہ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ، فہم اور فروغ و اشاعت کے انتہائی گہرے، پاکیزہ اثرات ہمارے باطن، نفس ناطقہ اور ہمارے قلب و روح پر مرتسم ہوتے ہیں۔ جیسے تلاوت قرآن کے اثرات دلوں میں گہرے اترتے ہیں، بالکل اسی طرح مطالعہ سیرت سے بھی انسان کا دل گہرا اثر لیتا ہے اور یہ اثر بہت اجلا، نکھرا اور پاکیزہ ہوتا ہے۔

بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کا مطالعہ ''تلاوت'' ہے اور سیرت طیبہ کا مطالعہ ''ذکر''۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ مطالعہ سیرت ''ذکر اللہ'' کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ قرآن حکیم کی آیہ مقدسہ ﴿ورفعنا لك ذكرك﴾ کی توضیح میں یوں وارد ہے ﴿اذا ذكرت ذكرت معي﴾ یعنی اے محبوب مکرم ﷺ! جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا ساتھ ہی تیرا ذکر بھی ہوگا۔

اس حدیث قدسی میں منشائے ربانی کی وضاحت کرتے ہوئے ابن عطا فرماتے ہیں۔

جعلت تمام الايمان بذكري معك وجعلتك ذكراً من ذكري فمن ذكرك ذكرني

''یعنی اے محبوب ﷺ! میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا۔ سو جس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا''۔

پس یہ ثابت ہو گیا کہ سیرت مصطفیٰ ﷺ کا مطالعہ براہ راست ''ذکر اللہ'' ہے۔ ایسا ذکر جو رب کائنات کو بہت پسند ہے۔ جسے خود اس نے بندوں کے لئے تسکین روح کا سامان بنا دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد: ۲۸)

''آگاہ رہو! اللہ کے ذکر ہی سے دل سکون پاتے ہیں''

کی تفسیر میں علامہ سیوطی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص امام مجاہد کے حوالے سے نقل کیا ہے ﴿هي بمحمد ﷺ واصحابه﴾ یعنی اس آیت کریمہ کے منشا میں یہ شامل ہے کہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب گرامی کے ذکر سے دلوں کو تسکین ملتی ہے

ذکر تیرا ہے ہر اک دل کے لئے وجہ سکون
یاد تیری ہی مداوا ہے رسول عربی ﷺ

۴۔ مطالعۂ سیرت کا آہنگ کچھ ایسا! کہ دل میں شبیہ مصطفیٰ ﷺ اتر آئے

ذکر مصطفیٰ ﷺ بالیقین ہر غم کا مداوا ہے۔ ہر آزار سے چھٹکارا۔ ہر کرب و اضطراب سے نجات۔ ہر دکھ اور بیماری سے شفا۔ تبھی تو شیخ ابن تیمیہ نے عماد الدین واسطی کو جو دنیا بھر کے علوم و فنون اور حکمت و دانائی کا خزانہ پاس رکھتے ہوئے بھی ذہنی تشکیک، روحانی آزار اور باطنی اضطراب غرض ہر قسم کے کرب سے دوچار تھا اور کہیں سے کوئی مداوا نہیں ملتا تھا، یہ نصیحت کی کہ سب کچھ چھوڑ دو اور صرف مطالعہ سیرت النبی ﷺ کو اپنا شیوہ بنا لو۔ تمہاری ہر بیماری، ہر آزار ختم ہو جائے گا۔ شیخ عماد الدین واسطی نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ سارے علم چھوڑ دیئے۔ ساری کتابیں اٹھا دیں۔ سارے مشاغل بھلا دیئے اور خود کو صرف ایک ہی چیز سے جوڑ لیا۔ ایک ہی کام اپنا لیا: مطالعۂ سیرت النبی ﷺ۔ بس پھر کیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے دل کی کایا پلٹ گئی اور زندگی بدل گئی۔ سارے آزار دھل گئے۔ بے چینی مٹ گئی اور وجود کے ریشے ریشے میں سکون و اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔

تو کیا خیال ہے قارئین محترم! مطالعہ سیرت النبی ﷺ کے لئے دل میں کوئی آمادگی کی لہر ابھری ہے یا نہیں۔ امید تو ہے کہ دل میں ایک بیقراری ضرور جاگی ہوگی: مطالعہ سیرت النبی ﷺ سے فیض یاب ہونے کی بے قراری، سو اب اس بے قراری کو جگائے رکھئے اور اپنے تن من کو اس آگ کے شعلوں میں پگھلا دیجئے تاکہ جب سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں تو جذبوں کے والہانہ پن کا عالم کچھ ایسا ہو جیسے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

أن تعبد الله كأنك تراه (صحیح مسلم)

''یعنی تم خدا کی عبادت کچھ اس طرح ڈوب کر کرو کہ گویا اس کے جمال ذات کا دیدار کر رہے ہو''۔

کچھ ایسی ہی کیفیت یہاں بھی ہو جائے۔ مطالعۂ سیرت کے دوران ایک ایسا سماں بندھ جائے کہ دل کے آئینے میں شبیہ مصطفیٰ ﷺ اتر آئے اور دیدہ و دل حضور ﷺ کے جلووں سے روشن ہو جائیں۔ قارئین محترم! یہ مبالغہ نہیں، فی الواقع ایسا ممکن ہے۔ چنانچہ نہ صرف صحابہ کرام بلکہ بعد کے راویانِ حدیث کے بارے میں بھی ثابت ہے کہ احادیث طیبہ بیان کرتے ہوئے چشم تصور میں حضور سید عالم ﷺ کے جمال ذات کے تابندہ نقوش جگمگا اٹھتے تھے یہاں تک کہ اسی بے خودی کے عالم میں وہ حضور اکرم ﷺ کی سُندر اداؤں کا پرتو بے ساختہ اپنے وجود میں پرو لیتے۔ یوں تذکار سیرت ان کی زندگیوں میں حسن عمل کی بہار اگا دیتا۔ ایسا آج بھی ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ہم مطالعۂ سیرت میں اپنے جذبوں کی ساری کائنات انڈیل دیں۔ اس طرح کہ تارِ نفس کے ہر آہنگ میں ایک تڑپ، ایک پیاس گھلی ہو۔ بارگاہ رسالت میں حاضری اور حضوری کا احساس پوری شدت اور تابانی کے ساتھ بدن کی پور پور میں مچل رہا ہو۔ دل مصطفیٰ ﷺ کے پیار کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہو۔ ذکر مصطفیٰ ﷺ کی چاندنی کچھ اس طرح شخصیت کے آہنگ میں گندھی ہو کہ مزاج کے سارے کنول سرگنگنا اٹھیں۔ مطالعہ سیرت کا لمحہ لمحہ گداز روح کے پیکر اس سمندر میں یوں نہلائے کہ حسن عمل کا پیکر جذبوں کے آب حیات میں گندھ جائے اور آنسوؤں کے موتی آرزوئے نجات کی مالا بننے لگیں۔

سیرت پاک کا یہ مطالعہ کچھ اس طرح سے ہو کہ بے خودی کی چادر سی اک سارے بدن پر تنی رہے۔ قریۂ جاں میں عشق مصطفیٰ ﷺ کے پھول، جمال سیرت کی رعنائیوں کے منظر اور اتباع سنت کے جذبوں کی دھنک کھلتی ہوئی محسوس ہو اور دشت روح کی پہنائیوں میں پھیلی شعور و آگہی کی ہر وادی میں بس ایک ہی پکار گونجنے لگے۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

قارئین محترم! سیرت طیبہ کا مطالعہ کچھ اس نہج پر شعارِ زیست بن جائے تو کائنات دل ساری کی ساری ذکر مصطفیٰ ﷺ کے بہتے دھاروں میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ پھر پڑھنے والے کا وجود تذکار سیرت سے الگ نہیں رہتا، بلکہ خود سیرت طیبہ کی ایک پرچھائی بن جاتا ہے۔ پھر اس کا بسیرا اس جہان کاف و نون کی حسی فضاؤں میں نہیں ہوتا، بلکہ ذکر رسول ﷺ کی رعنائی، تقدس اور تابانی کے ماورائی الوہی ماحول میں اس کے وجود کا ریشہ ریشہ کھل اٹھتا ہے۔

☆☆☆

کھول کر آنکھیں مرے ”آئینۂ گفتار“ میں
”آنے والے دور“ کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!

تحریر و تفتیش:
صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری

برطانیہ: 10 برس میں 40 ہزار افراد کا قبول اسلام

برطانیہ میں ایک حالیہ جائزے سے پتہ چلا ہے کہ گزشتہ ایک دہائی کے دوران غیر معمولی تعداد میں برطانوی باشندوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ دس سال قبل اندازہ لگایا گیا تھا کہ ساٹھ ہزار سے زیادہ برطانوی باشندے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ تاہم اب یہ تعداد ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ اندازہ ہے کہ ہر سال پانچ ہزار دو سو برطانوی باشندے اسلام قبول کرتے ہیں۔ سوانسی یونیورسٹی فار فیتھ میٹر کے محققین کی جانب سے تیار کردہ رپورٹ کے مطابق اسلام قبول کرنے والوں میں سے نصف تعداد خالص سفید فام باشندوں کی ہے اور ان میں سے دو تہائی خواتین ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں کی اوسط عمر 28 سال تھی۔ یہ اعداد و شمار فرانس و جرمنی میں اسلام قبول کرنے والوں کے تقریباً برابر ہے۔ ان دونوں ممالک میں ہر سال چار ہزار افراد اسلام قبول کرتے ہیں۔ سوانسی یونیورسٹی سے وابستہ اور یہ رپورٹ تحریر کرنے والے کیون برائس کا کہنا ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کو اکثر اپنے دوستوں اور خاندانوں کی جانب سے لاتعلقی اختیار کرنے کی وجہ سے بھاری قیمت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ خواتین کے قبول اسلام سے متعلق انہوں نے کہا کہ دو طرح کی خواتین اسلام قبول کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو اپنے مسلمان شوہر کو خوش کرنے کی خاطر اسلام قبول کر لیتی ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ وہ عبادات میں بھی حصہ لیں جبکہ دوسری خواتین کی دوسری قسم وہ ہے جو سوچ بچار کرنے والی اور روحانیت کی تلاش میں ہوتی ہیں۔

☆☆☆

جرمن اور فرانسیسی، مسلمانوں کو اپنے ملک کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں

فرانس اور جرمنی کے دس میں سے چار باشندے اپنے ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو ایک خطرے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اس بات کا انکشاف فرانس کے ایک معروف اخبار میں شائع ہونے والے سروے میں کیا گیا ہے۔ رائے عامہ کا جائزہ لینے والی تنظیم آئی ایف او پی کے مطابق 40 فیصد جرمن اور 42 فیصد فرانسیسی اپنے ملک میں مسلمان کمیونٹی کو اپنی قومی شناخت کے لئے ایک خطرہ سمجھتے ہیں۔ سروے میں 68 فیصد فرانسیسی اور 75 فیصد جرمن باشندوں کا خیال ہے کہ مسلمان ان کے معاشرے میں پوری طرح گھل مل نہیں سکے ہیں۔ یورپ میں فرانس وہ ملک ہے جہاں مسلمان سب سے زیادہ تعداد میں آباد ہیں جو تقریباً 60 لاکھ کے قریب ہے جبکہ جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد 43 لاکھ کے قریب ہے۔

☆☆☆

پاکستان کے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کا دہشت گردی کی جنگ میں ''امن منصوبہ'' ایمانداری اور خلوص پر مبنی تھا جس نے پاکستان میں امریکہ کے خلاف نفرت کی شدید لہر کو کم کرنے میں مدد دی۔ یہ منصوبہ ثابت کرتا ہے کہ برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے دورۂ بھارت کے دوران جو کچھ پاکستان کے خلاف کہا تھا وہ سراسر غلط اور بے بنیاد تھا۔ پاکستان کے نقطۂ نظر سے افغانستان میں طالبان کا برسر اقتدار آنا خطرہ نہیں۔ اس کے برعکس پاکستان کا سب سے بڑا خطرہ افغانستان میں بھارتی اثر و رسوخ، اس کے تجارتی امور اور مواصلاتی سٹرکچر تعمیر کرنے میں مضمر ہے۔ بھارت کی طرف سے امریکی شہہ سے فائدہ اٹھا کر افغانستان میں قائم قونصل خانوں (جن کی تعداد پندرہ بیس کے قریب ہے) میں ایسے شر پسندوں کو تربیت دی جا رہی ہے جو پاکستان بالخصوص بلوچستان میں داخل ہو کر تخریبی کارروائیاں کرتے ہیں۔

ڈیلی ٹیلی گراف کے مطابق 9 سال سے افغانستان کی جنگ میں برسر پیکار امریکہ کے لئے طالبان کا برسر اقتدار آنا امریکی شکست کے مترادف ہے جس سے کوئی بھی امریکی صدر سیاسی طور پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ دراصل یہ وہ امریکی مفاد ہے جو پاکستان کے مفاد سے ٹکراتا ہے اور امریکہ اسی کے لئے افغانستان میں اربوں ڈالر جھونک رہا ہے۔

اس حقیقت کا اس امر سے بھی اظہار ہوتا ہے کہ امریکی صحافی باب وڈ ورڈ کی کتاب ''اوباما کی جنگیں'' کے اقتباس کے مطابق اوباما نے ایک بار اہم میٹنگ میں کہا تھا کہ ''کئی لحاظ سے افغانستان میں ہمارے دیرپا مفادات ہیں۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغانستان سے امریکی افواج نکالنے کا منصوبہ حتمی نہیں۔ یہ صرف دنیا اور ان امریکی عوام کو دھوکہ دینے کے لئے جو جنگوں کے خلاف ہیں۔ دراصل امریکہ کی خواہش ہے کہ اگر بامر مجبوری اسے افغانستان سے کچھ فوج بلانی پڑے تو یہ خلا بھارتی افواج پر کریں۔ امریکہ اس جانب کئی بار واضح اشارات دے چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لزبن کانفرنس جو افغانستان کے مستقبل کے لئے منعقد ہوئی اس میں پاکستان کو سرے سے بلایا ہی نہیں گیا۔

برطانیہ کے ممتاز اخبار ڈیلی ٹیلی گراف کے مطابق پاکستان کا امن منصوبہ پیش کرتے ہوئے جنرل کیانی نے ٹھیک راستہ دکھایا تھا۔ آرمی چیف جنرل کیانی کی طرف سے پیش کردہ امن منصوبہ اس بات کا ثبوت ہے کہ برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون غلط تھے، جب انہوں نے

دورہ بھارت میں کہا تھا کہ اسلام آباد دہشت گردی کی جنگ میں دو راستوں کو نہیں دیکھ سکتا، دونوں راستوں پر ہمیشہ سے سوچ بچار رہی اور افغان مسئلے کے حل کے لئے آئندہ بھی دونوں راستوں پر دیکھا جائے گا۔ امریکہ اور اس کے اتحادی کو شبہ رہا کہ پاکستان القاعدہ کے قریبی ساتھی طالبان گروپ حقانی کی حمایت کرتا ہے۔ پاکستان صرف طالبان کو ہی شکست نہیں دینا چاہتا بلکہ بھارت کی طرف سے ہونے والی پاکستان کے اندر عسکریت پسندی کا بھی حل کرنا چاہتا ہے۔ جنرل کیانی کی امن منصوبے کے لئے سفارتی مہم ایمانداری سے شروع کی گئی جس سے پاکستان میں امن ہو رہا تھا اور امریکی نفرت میں کمی واقع ہو رہی تھی۔ اس میں پاکستان کی سلامتی کا واضح خاکہ تھا۔ امریکہ ملا عمر اور حقانی گروپ کو سخت دشمن خیال کرتا ہے لیکن پاکستانی انہیں اپنی سلامتی کے لئے خطرہ نہیں سمجھتے وہ صرف بھارت کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جو کرزئی اور شمالی اتحاد کی حمایت کر رہا ہے۔ پاکستان کو اس سے کوئی تشویش نہیں کہ افغانستان پر طالبان کا قبضہ ہو جائے گا انہیں صرف افغانستان میں بھارتی اثر و رسوخ سے خطرہ ہے جنہیں وہ اپنی سلامتی کے لئے خطرہ خیال کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے واضح طور پر کہا تھا کہ پاکستان میں طالبان کے تربیتی کیمپ ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان حقانی گروپ کے خلاف کارروائی نہ کر کے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ دراصل یہی الزام بھارت کی طرف سے بھی لگایا جاتا ہے کہ پاکستان میں دہشت گردوں کے اڈے ہیں۔ پاکستان انہیں ختم کرے۔ بھارت میں امریکی صدر آئے یا فرانسیسی، جرمنی کی سربراہ مرکل انجیلا آئے یا کوئی اور، بھارت ہر موقع پر ان کے سامنے یہی کیس پیش کرتا ہے اور باہر سے آنے والے مہمان حقائق سے اغماض برتتے ہوئے بھارت کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں کیونکہ انہیں بھارت کی کنزیومر مارکیٹ نظر آتی ہے جس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر مغربی ملک دانت تیز کئے ہوئے ہے۔

برطانیہ ہی نہیں فرانس کے صدر سرکوزی نے بھی بھارت میں کچھ اسی قسم کا بیان دیا تھا اور اب جرمنی کی مرکل انجیلا نے بھارت کی حمایت میں کچھ اسی قسم کا بیان دے ڈالا ہے جس پر پاکستان کی وزارت خارجہ نے فرانس اور جرمنی کے سفیروں کو بلا کر نہ صرف اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے بلکہ سخت احتجاج بھی کیا ہے۔ پاکستان نے کہا ہے کہ ''برلن اور دہلی میں بھارتی وزیر اعظم منموہن سنگھ سے ملاقاتوں کے بعد جرمنی اور فرانس کے الزامات غلط اور قابل افسوس ہیں۔'' پاکستان نے کہا ہے کہ ان ریمارکس سے قبل دونوں سربراہوں کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی قربانیوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے تھا جو دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ ہیں۔

☆☆☆

قانون ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے 500 مفتیوں کا فتویٰ
مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ کی جانب سے وزیر اعظم کے نام مکتوب

وطن عزیز پاکستان میں کافی عرصہ سے تحفظ ناموس رسالت اور توہین رسالت کے سلسلہ میں جلسوں، جلوسوں، ریلیوں اور ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہے۔ احتجاجی مظاہرے ہو رہے ہیں اور مختلف مقامات پر دھرنے دیئے جا رہے ہیں۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ ہر مسلک اور ہر عقیدہ سے تعلق رکھنے والے لوگ اس احتجاجی لہر میں شریک ہیں۔ ہر جگہ روزانہ کہیں نہ کہیں احتجاجی مظاہرہ ہوتا ہے یا جلوس نکلتا ہے، جلسوں کا تو کوئی شمار نہیں۔

اس سلسلہ میں ٹھوس اور مثبت کام اہل سنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ علامہ سید ریاض حسین شاہ نے سرانجام دیا ہے۔ انہوں نے ناموس رسالت ایکٹ کے حق میں 500 مفتیوں کا فتویٰ ایک خصوصی خط کے ذریعے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو ارسال کیا ہے۔ خط میں کہا گیا ہے کہ وہ متفقہ دینی معاملات میں مداخلت سے باز رہیں اور اعلان کریں کہ قانون ناموس رسالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ انہوں نے اپنے خط میں وزیر اعظم کو خبردار کیا ہے کہ اگر قانون ناموس رسالت کو ختم کیا گیا تو حکومت کے خلاف جہاد فرض ہو جائے گا۔ خط میں وزیر اعظم کو الٹی میٹم دیا گیا ہے کہ چار روز کے اندر قانون ناموس رسالت میں ترمیم نہ کرنے کا اعلان نہ کیا گیا تو ملک بھر میں مظاہروں اور ہڑتالوں کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ دریں اثناء صاحبزادہ سید مظہر سعید کاظمی اور علامہ سید ریاض حسین شاہ نے قانون ناموس رسالت میں تبدیلی کی حکومتی کوششوں اور عالمی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے ممبران اسمبلی، سینیٹرز، تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے سفیروں اور اقلیتوں کے نمائندوں سے ملاقاتیں کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

☆☆☆

بھارت میں ''آر ایس ایس'' نامی تنظیم مسلمانوں کو نازیوں کی طرح نشانہ ظلم و ستم بنا رہی ہے
کانگریس کے اعلیٰ عہدیدار کا انکشاف

آل انڈیا کانگریس کے جنرل سیکرٹری ڈگ وجے نے کہا ہے کہ ہندوؤں کی تشدد پسند تنظیم "آر ایس ایس" مسلمانوں کو اس طرح تشدد اور ظلم وستم کا نشانہ بنارہی ہے جیسے جرمنی کے نازیوں نے یہودیوں کو نشانہ بنایا تھا۔ اتوار کو دلی میں منعقد ہونے والی کانگریس پارٹی کی 83ویں مجلس عاملہ کے اجلاس میں ڈگ وجے سنگھ نے کہا ہے کہ "آر ایس ایس" مسلمانوں کو نشانہ ستم واستبداو بنانے میں نازیوں سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ آر ایس ایس اپنے نیشنلسٹ نظریہ کی آڑ میں مسلمانوں کو اس طرح نشانہ ظلم وستم بنارہی ہے جس طرح جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر کی نازی پارٹی نے یہودیوں کو نشانہ بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ ہٹلر نے لاکھوں یہودیوں کو بیک وقت قتل کرادیا تھا۔ اس واقعہ کو آج بھی اسرائیل اپنی مظلومیت کے طور پر پیش کرتا ہے اور یورپی حکومتوں نے قانون بنا رکھا ہے کہ جو اس واقعہ کی تردید یا تکذیب کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔

حال ہی میں "وکی لیکس" نے حیرت انگیز انکشافات کے ذریعے دنیا میں تہلکہ مچادیا ہے۔ جس میں پاکستان اور بھارت کے متعلق بھی انکشافات شامل ہیں۔ ہم یہاں صرف اس انکشاف کو پیش کررہے ہیں جو 13۔ مارچ کو نئی دہلی میں امریکی ایف بی آئی کے ڈائریکٹر رابرٹ مولر سے ملاقات میں بھارت کی قومی سلامتی کونسل کے مشیر نے کیا تھا کہ امریکہ جنرل کیانی کی سربراہی میں آئی ایس آئی کے اندر اصلاحات میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن پاکستانی فوج نے جنرل پاشا کی سربراہی میں اسے ناکام کردیا۔ نئی دہلی میں سفارت خانے کی طرف 14۔ مارچ 2009 کو واشنگٹن بھیجی گئی کیبل میں (جو وکی لیکس نے جاری کی ہے) امریکہ اور بھارت نے اتفاق کیا تھا کہ "دہشت گرد صرف مسلم" پس منظر ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے "دہشت گرد" ہیں۔ نارائن نے دہشت گردی کے خلاف مشترکہ حکمت عملی کے حوالے سے رابرٹ مولر سے گفتگو کرتے ہوئے آئی ایس آئی میں اصلاحات کی وضاحت کی اور کہا کہ ایجنسی میں بعض نچلی سطح کے اہلکار اپنے اعلیٰ افسران کے علم میں لائے بغیر دہشت گردوں کی حمایت کررہے ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

27۔ نومبر 2009 کو نئی دہلی میں امریکی سفارت خانے سے واشنگٹن بھیجی گئی ایک اور کیبل کے مطابق سینئر بھارتی سفارت کار روائی کے سنہا نے امریکی سفارت کاروں کو بتایا کہ اگر بھارت پلیٹ میں رکھ کر کشمیر پاکستان کے حوالے بھی کردے تو پھر بھی پاکستان بھارت کے لئے مسلسل مسائل پیدا کرتا رہے گا، نارائن نے مولر سے آئی ایس آئی میں اصلاحات کے حوالے سے بات چیت کرتے ہوئے آئی ایس آئی چیفس کے نام نہیں لئے اور ایجنسی کی سابق اور موجودہ قیادت کا تذکرہ کیا۔ یہ وضاحت 4۔ مارچ 2009 کے کیبل میں کی گئی۔ کیبل کے آخری پیرے کے مطابق نارائن نے آئی ایس آئی کو پاکستان میں دہشت گردی کی جڑ قرار دیا اور کہا کہ اس مسئلے سے مؤثر انداز میں نمٹنے کے لئے ضروری ہے کہ آئی ایس آئی میں سنجیدگی سے اصلاحات عمل میں لائی جائیں۔ کیبل کے پیرہ 4 میں نارائن نے مولر کو بتایا کہ بھارت میں ہم ہندوؤں کے انتہا پسند گروپ بھی پروان چڑھتے دیکھ رہے ہیں جو پُرتشدد رجحان رکھتے ہیں۔ انہوں نے مولر سے اتفاق کیا کہ دہشت گردوں میں زیادہ تر مسلم پس منظر نہیں رکھتے۔ 27۔ نومبر 2009 کو کیبل میں سینئر بھارتی سفارت کار اور وزارت خارجہ میں پاکستان، افغانستان اور ایران کے امور کے جوائنٹ سیکرٹری وائی کے سنہا جو عموماً بھارت کی طرف سے پاکستان پر عدم اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہیں انہوں نے مختلف مثالیں دے کر پاکستان کے بھارت پر الزامات کی تردید کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے صوبہ پنجاب میں گندم کی نمبر فصل اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان کا بھارت پر پانی روکنے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ انہوں نے یہ بھی الزام لگایا کہ پاکستان مشرقی سرحدوں پر بھارت سے خطرات لاحق ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے کیونکہ اگر وہ اسے حقیقی خطرہ سمجھتے تو وہ کبھی بھی ایک پوری کور مشرقی سرحدوں سے ہٹا کر مغربی سرحد پر تعینات نہ کرتے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں ملکوں کے درمیان اگر کسی شعبے میں باہمی تعلقات ہیں تو وہ پانی کا شعبہ ہے۔ 1960ء کے سندھ طاس معاہدے کے تحت اس شعبے میں تعاون ہورہا ہے۔ انڈس واٹر کمیشن کے دو سال بعد اجلاس ہوتے ہیں اس سال بھی بھارتی وفد پاکستان کا دورہ کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اس الزام کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتا کہ بھارت وزیرستان میں حکومت مخالف جنگجوؤں کو اسلحہ فراہم کررہا ہے۔

بہرحال ان بیانات اور تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بھارت کے اندر بھی ایسے باشعور لوگ موجود ہیں جنہوں نے بھارت کے مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کا اعتراف کیا ہے اور وکی لیکس سے ظاہر ہے کہ بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی صرف مسلمانوں کا کام نہیں۔ اس کے باوجود بھارت کے وزیراعظم اور ان کے تمام وزراء اور سیکرٹری ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں کہ جب تک پاکستان دہشت گردی کے اڈوں سمیت دہشت گردی کا خاتمہ نہیں کرتا اس سے مذاکرات نہیں کئے جاسکتے۔

بھارت کی باشعور کالم نگار اروندھتی رائے نے اپنے متعدد مضامین اور بیانات میں کشمیر میں بھارت کی فوج کی جانب سے روا رکھے جانے والے ظلم وتشدد کی مذمت کی ہے اور کشمیریوں کے حقوق کا دفاع کرتے ہوئے ببانگ دہل کہا ہے کہ تاریخی طور پر کشمیر کبھی بھارت کا حصہ نہیں رہا۔ یہ بہت بڑی آواز ہے جس سے بھارتی حکمران لرز گئے ہیں اور اروندھتی رائے پر بغاوت کے سلسلہ میں مقدمہ درج کرلیا گیا ہے۔

☆☆☆

آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کی پڑپوتی کی پاکستان آمد
حکومت پاکستان ان کے لئے معقول وظیفہ مقرر کرے

مغلیہ سلطنت کے آخری مسلمان اور اردو زبان کے بہترین شاعر بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے پڑپوتے کی اہلیہ سلطانہ بیگم پہلی مرتبہ پاکستان کے دورے پر آئی ہیں۔ سلطانہ بیگم 6۔ دسمبر کو پاکستان کے دورے پر پہنچیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ پاکستان کے عوام کے لئے محبت اور دوستی کا پیغام لے کر آئی ہیں۔ سلطانہ بیگم پاکستانی شہری عمران کی دعوت پر یہاں آئی ہیں۔ انہیں یہ دعوت انٹرنیٹ پر ملی تھی۔

سلطانہ بیگم سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ان کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ بہادر شاہ ظفر کی باقیات کو رنگون سے لا کر بھارت میں دفن کیا جائے تاکہ آزادی پسند لوگ ان کے مزار کا دیدار کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس ضمن میں بنگلہ دیش، بھارت اور پاکستان کے عوام کی امداد چاہتی ہیں۔

سلطانہ بیگم 27 برسوں سے غربت وافلاس کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ بھارت انہیں 6 ہزار روپے ماہانہ وظیفہ دے۔ سلطانہ بیگم کا کہنا ہے کہ لال قلعہ پر سب سے زیادہ ان کا حق ہے۔

حکومت پاکستان سے ہمارا دردمندانہ مطالبہ ہے کہ وہ بہادر شاہ ظفر کا احترام کرتے ہوئے ان کے اہل خانہ کو غربت وافلاس کی دلدل سے نکالے اور ان کے لئے ماہانہ معقول وظیفہ کا اہتمام کرے۔ اس سے حکومت کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا اور بادشاہ کے پڑپوتے کی بیوی کی زندگی کے باقی ایام آرام سے گزر سکیں گے۔ بھارتی حکومت لال قلعہ کے کرایہ کے طور پر بھی ان کے خاندان کو رقم دے تو ان کے دل در دور ہو سکتے ہیں کیونکہ لال قلعہ بلاشبہ سلطانی بیگم کے اسلاف کی ملکیت ہے۔ تاریخ اس امر کی شاہد عادل ہے۔ اگر حکومت پاکستان بے بس ہے تو پاکستان کی کوئی مخیر شخصیت ہی محترمہ سلطانہ بیگم کا معقول وظیفہ مقرر کردے۔

بہادر شاہ ظفر کی آخری زندگی قید وبند اور حزن ویاس میں گزری۔ اس لئے ان کی شاعری میں غم والم کا تاثر ملتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

اس کے علاوہ ان کا ایک اور شعر زبان زد خاص وعام ہے، یہ شعر زندگی کی حقیقتوں کا آئینہ دار ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا
ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

☆☆☆

امریکی فوج میں ''ہم جنس پرستوں کی بھرتی'' کی قانونی اجازت

اہل مغرب کے ہاں آزادی کا مفہوم ''مادر پدر آزادی'' کے علاوہ کچھ نہیں۔ تمام مغربی عورتوں نے برقعہ یا حجاب اوڑھنا صدیوں سے ترک کر رکھا ہے اور اس طرح انہوں نے ''عریانی اور فحاشی'' کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ مغربی خواتین نے سب سے پہلے دوپٹہ اتارا، پھر آستینوں کو ننگا کیا اور اس کے بعد ٹانگوں کو معقول کپڑوں سے آزاد کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں عورت چراغ خانہ کی بجائے چراغ محفل بن کر رہ گئی ہے۔

خواتین کے میدان کو عریاں کرنے میں کامیابی کے حصول کے بعد مرد میدان میں نکل آئے۔ انہوں نے بھی طرح طرح کے انداز بے حیائی اور طرز فحاشی اختیار کرنا شروع کر دیئے۔ عورتوں اور مردوں کی مخلوط محفلوں اور آزادانہ اختلاط کے بعد جب مردوں کا عورتوں سے دل بھر گیا تو انہوں نے اغلام بازی کو اختیار کر لیا۔ پہلے یہ کام مخفیہ طریقوں سے ہوتا تھا، پھر ''آزادی'' کے نام پر انہوں نے آواز بلند کی تو حکومتوں نے انہیں ''ہم جنس پرستی'' کی اجازت دے دی۔

نوبت بایں جارسید

کہ یہ ہم جنس پرستی تمام شعبوں میں رواج پانے لگی حتیٰ کہ عوام کے ووٹوں سے منتخب ہونے والی اسمبلیوں اور کانگریسوں نے ''بل'' پاس

کر کے انہیں ہم جنس پرستی کی اجازت دیدی۔ اب تو یہ حال ہے کہ مرد دوسرے مرد سے شادی کر سکتا ہے اور عورت عورت کے ساتھ شادی کر کے اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ حکومت کو اعتراض ہے اور نہ مہذب معاشرے کو۔

امریکہ میں اب صورت حال یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ امریکی سینٹ میں حال ہی میں بڑی بحث وتمحیص کے بعد بل منظور ہو گیا ہے کہ ہم جنس پرست فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں۔ پابندی کے خاتمے کے لئے 31 کے مقابلے میں 65 ووٹ حق میں ملے۔ بل منظوری کے بعد دستخط کے لئے امریکی صدر اوباما کو بھی بھیج دیا گیا اور امید ہے کہ وہ پابندی کے خاتمے کے بل پر دستخط کر دیں گے جس کے بعد یہ بل باقاعدہ قانون بن جائے گا۔

تفصیلات کے مطابق امریکا میں ایوان بالا یا سینٹ میں فوج میں کھلے عام ہم جنس تعلقات رکھنے والے لوگوں کو ملازمت کرنے کی اجازت دینے کا بل منظور ہو گیا ہے۔ سینیٹ سے اس بل کی منظوری کے بعد 17 سال پرانا قانون ختم ہو گیا ہے جس کے تحت امریکی فوج میں Do not ask,do not tell (نہ پوچھو نہ بتاؤ) کی پابندی ختم ہو گئی ہے۔ سینٹ میں پابندی کے خاتمے کے بل کے حق میں 65 جبکہ مخالفت میں 31 ووٹ پڑے۔ صدر اوباما نے سینٹ میں بل کی منظوری کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ ہزاروں محب وطن امریکیوں کو اس لئے فوج سے نہیں نکالا جا سکے گا کہ وہ ہم جنس پرست ثابت ہوئے ہیں۔

قارئین کرام! ہم جنس پرستی وہ مرض ہے جو حضرت لوط علیہ السلام کے دور میں عام تھا۔ اس عہد کے لوگ بیویوں کو چھوڑ کر نوجوان لڑکوں اور مردوں کے ساتھ اختلاط کرتے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے ذریعے قوم کے گمراہ لوگوں کو منع کیا اور بتایا کہ غیر فطری طریقے چھوڑ کر فطری طریقے اختیار کرو مگر انہوں نے ایک نہ سنی حتیٰ کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کو دیکھ کر مطالبہ کیا کہ ان خوب صورت لڑکوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب نازل کیا اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ وہ اپنے اہل خانہ کو ساتھ لے کر شہر سے باہر نکل جائیں ان کے نکلتے ہی شہر کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

سورہ ھود اور الحجر اور العنکبوت میں عذاب کی تفصیل موجود ہے۔ اس کے مطابق تمام بستیوں کو تلپٹ کر دیا گیا اور اوپر سے پختہ اینٹوں اور پتھروں کی بارش کی گئی۔ اس سے تصور کیا جا سکتا ہے شدید زلزلے سے پورا علاقہ الٹ دیا گیا اور جو لوگ بچ کر بھاگے ان کو آتش فشاں مادے کے پتھروں کی بارش نے ختم کر دیا۔

البتہ پوری قوم میں ایک گھر ایسا تھا جس میں ایمان واسلام کی روشنی پائی جاتی تھی اور وہ تنہا حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا۔ باقی پوری بستی فسق وفجور میں ڈوبی ہوئی تھی اور سارا ملک گندگی سے لبریز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر وہ تباہی نازل کی کہ اس کا ایک فرد بھی بچ نہ سکا۔ بحرہ مردار کا جنوبی علاقہ آج بھی عظیم تباہی کے آثار پیش کر رہا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ قوم لوط کے بڑے شہر غالباً شدید زلزلے سے زمین کے اندر دھنس گئے تھے۔ کیونکہ اس بحیرے کا وہ حصہ جو "اللسان" نامی چھوٹے سے جزیرہ نما کے جنوب میں واقع ہے۔ صاف طور پر بعد کی پیداوار معلوم ہوتا ہے۔ تباہی کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح کا معلوم ہوتا ہے۔ 965 میں آثار قدیمہ تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللسان پر ایک بڑا قبرستان ملا ہے جس میں 20 ہزار سے زیادہ قبریں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبرستان کے قرب میں کوئی بڑا شہر آباد ہو گا۔ خیال ہے کہ یہ شہر بحیرہ مردار میں ڈوب چکا ہے۔ جنوب میں جو علاقہ ہے اس میں اب تک تباہی کے آثار موجود ہے۔ زمین میں گندھک، رال، تارکول اور قدرتی گیس کے ذخائر پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر گمان گزرتا ہے کہ کسی وقت بجلیوں کے گرنے یا زلزلہ کے اخراجات یہاں جہنم پھٹ پڑی ہو گی۔

قرآن حکیم کی سورہ القمر کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو نہایت خوب صورت شکل میں چند فرشتوں کو حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان کے طور پر بھیجا۔ اس گمراہ قوم کے لوگوں نے جب ان خوب صورت لڑکوں کو دیکھا تو وہ آپ کے گھر پر چڑھ دوڑے اور مطالبہ کیا کہ ان لڑکوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ ان کے ساتھ بدکاری کر سکیں۔ حضرت لوط نے ان کی منت سماجت کی لیکن وہ باز نہ آئے اور گھر میں گھس کر مہمانوں کو نکال لے جانے کی کوشش کی۔ آخری مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا کر دیا۔ ان فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ وہ اور ان کے اہل خانہ صبح ہونے سے پہلے بستی سے نکل جائیں۔ ان کے نکلتے ہی قوم پر عذاب نازل ہونا شروع ہو گیا۔ یہ قصہ بائیبل میں بھی درج ہے۔

سورہ الصفت میں ہے کہ "ہم نے سب گھر والوں کو نجات دی سوائے ایک بڑھیا کے"۔ اس بڑھیا سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو ہجرت کا حکم آنے پر اپنے شوہر نامدار کے ساتھ نہ گئی بلکہ اپنی قوم کے ساتھ رہی اور مبتلائے عذاب ہوئی۔ قرآن کے مطابق حضرت

لوط علیہ السلام کی بیوی نے خیانت کی تھی۔ خیانت سے مراد "بدکاری" نہیں بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اپنے نامدار خاوند کا حکم نہ مانا اور دشمنان دین کا ساتھ دیتی رہی۔ وہ حضرت لوط کے ہاں آنے والے لوگوں کی اطلاع اپنے قوم کے بداعمال لوگوں کو دیا کرتی تھی۔ عذاب کے وقت اس نے حضرت لوط کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور وہیں ماری گئی۔ حضرت لوط کے ساتھ اس کا قریبی رشتہ یا تعلق کچھ کام نہ آیا۔ آیئے! ہم اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس کے احکامات اور نبی محتشم و محترم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کریں۔ لگتا ہے کہ اہل مغرب پر اب عذاب آنے ہی والا ہے۔ نافرمان لوگوں اور قوموں پر ہمیشہ عذاب الیم نازل ہوا اور وہ مارے گئے۔

☆☆☆

دینی مسائل اور ان کا حل

"مسائل دین و دنیا" کے عنوان کے تحت قارئین کرام کے ان سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں جو کارزار حیات میں مختلف اعمال و افعال کی بجا آوری کے دوران انسانی ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پھر ذہنی و روحانی الجھنوں کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کو بھی کوئی الجھن درپیش ہو یا ذہن کے نہاں خانے میں کوئی سوال پیدا ہو کر پریشان کر رہا ہو تو فوراً لکھیے۔ آپ کو ان شاء اللہ تعالیٰ اس سوال کا شافی و کافی جواب دیا جائے گا۔

محمد لیاقت علی مفتی

سوال: میری شادی مورخہ 29-04-2003 کو مسماۃ نائلہ پرویز ولد سلطان پرویز: کے ساتھ ہوئی تھی، کچھ دن پہلے ہمارے تعلقات آپس میں خراب ہوگئے تھے اور لڑائی جھگڑا ہوا۔ اس جھگڑے کے بعد میرے والد صاحب نے مجھے اپنی اہلیہ کو طلاق دینے کا اصرار کیا اور ساتھ طریقہ بھی بتایا کے ہر ماہ ایک طلاق دی جاتی ہے۔ میں والد کی رضا کے لیے ایک طلاق پر آمادہ ہوگیا، مگر جب کچہری میں انہوں نے اسٹام پیپر لکھوایا تو تینوں طلاقیں اکٹھی لکھوا دیں جو کہ میرے علم میں نہیں تھیں۔ میرے ذہن میں ایک طلاق کے کاغذات تھے، حالانکہ وہ اسٹام تین طلاقوں کا تھا۔ جس پر میں نے بغیر دیکھے پڑھے دستخط کر دیئے۔

جب یہ کاغذات اہلیہ کو بھیجے گئے تو اس کے بعد میں نے فوٹو کاپی پڑھی تو اس میں تین طلاقیں لکھی ہوئی پڑھ کر میں حیران رہ گیا، جس کے بعد مجھے اس کی حقیقت معلوم ہوئی۔ جس کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ میں صرف ایک طلاق دے کر اپنی اہلیہ کو سمجھانا چاہتا تھا تاکہ دوبارہ رجوع کے بعد ہم دونوں اکٹھے زندگی گزار سکیں۔ جب میری اہلیہ کو طلاق کے کاغذات ملے تو اس نے رو کر اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے میرے ساتھ دوبارہ رہنے کا ارادہ ظاہر کیا اور میں ایک طلاق رجعی کے بعد رجوع پر رضامند ہوگیا۔ میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کے میں نے اپنی اہلیہ کو صرف ایک مرتبہ طلاق دی تھی اور اب میں دوبارہ اکٹھے زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ (غلام سجاد حسین ولد ذوالفقار علی خیابان سرسید راولپنڈی)

جواب:- صورت مسئولہ میں غلام سجاد حسین ولد ذوالفقار علی نے تین طلاقیں نہ تو اصالتاً دی ہیں نہ وکالتاً بلکہ محض طلاق کی تحریر کا اختیار اپنے والد کو دیا تھا۔ شخص مذکور کے بیان حلفی کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس نے محض ایک طلاق کے ارادے سے دستخط کیے تھے، لہٰذا دریں صورت صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، سو عدت گزرنے سے پہلے وہ اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس سے قبل کسی موقع پر اس نے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ آئندہ زندگی میں وہ محض دو طلاقوں کا مالک رہ گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی رضویہ میں ردالمحتار اور تاتارخانیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"ان کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق اذا لم یقر انه کتابه"

"یعنی جو تحریری طلاق خاوند نے نہ تو خود لکھی نہ املا کروائی اس سے اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک خاوند اس تحریر کی تصدیق نہ کردے کہ یہ میری کاروائی ہے"۔

اس فتوی کے آخر میں حاصل کلام کے طور پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"بلاشبہ قاعدہ عامہ یہی ہے کہ جو شخص کوئی کاغذ لائے اور دوسرا اس پر دستخط یا مہر کرائے تو اگر وہ حرف بہ حرف پڑھ کر نہ سنائے گا تو حاصل مضمون ضرور بتائے گا یا وہ نہ بتائے گا تو یہ مہر کرنے والا پوچھ لے گا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ پس اگر ایسا ہی ہوا۔۔۔۔۔۔ تو طلاق پڑ گئی اور شاید اس کے خلاف ہی واقع ہوا اور بے اطلاع مضمون مہر کردی تو البتہ طلاق نہ ہوئی۔ واللہ تعالی ورسوله الا علی اعلم بالحقائق۔

سوال: کیا کسی بھی طریقے سے مال زکوٰۃ میں سے کسی سیدزادہ کی مدد کی جا سکتی ہے؟ (ارسلان حیدر۔ اسلام آباد)

جواب:- صدقات وزکوٰۃ کی جملہ رقوم بنو ہاشم کے لیے جائز نہیں۔ فقہ کی تمام کتب میں اس بات کا واضح ذکر موجود ہے اور حدیث پاک میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ حضرت امام حسن پاک ﷺ نے کسی موقع پر بچپن میں صدقے کی کھجور کھالی تھی جب رسول کریم علیہ السلام کو خبر ملی تو آپ علیہ السلام نے ان کے حلق میں انگلی ڈال کے قے کروا دی، تاکہ سادات کرام کے لئے صدقات کی حرمت سب پر عیاں ہو جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد ﷺ

"بے شک صدقات لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے اور وہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں"

لہٰذا مال زکوٰۃ سے سادات کرام کو محفوظ رکھنا چاہیے، مگر ان کی مدد کو نظرانداز کرنا بھی غیر مناسب ہے لہٰذا دیگر جائز شرعی طریقوں سے ان کی مدد جاری رکھنی چاہیے۔ خمس یعنی اپنی آمدنی کا پانچ فی صد اگر سادات کے لیے مختص کر دیا جائے تو یقیناً وہ رسول کریم کی تکریم و تعظیم باعث برکت و رحمت ہوگی۔ اسی طرح مالی ہدیے بھی سادات کو پیش کیے جا سکتے ہیں اور ان کی خدمت پر قیامت والے دن رسول کریم ﷺ کی شفاعت کی بھی امید کی جا سکتی ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ خود رسول کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

فرمان رسول ﷺ ہے۔

"اربعة انا لهم مشفع یوم القیامة

المکرم لذریتی،

والقاضي لهم حوائجهم
والساعي لهم في امورهم عند ما اضطروا اليه
والمحب لهم بقلبه ولسانه۔
یعنی چار طرح کے لوگ ایسے ہیں جن کی میں قیامت والے دن شفاعت کروں گا:
1۔ میری اولاد کی تعظیم وتکریم کرنے والا
2۔ ان کی ضروریات کو پورا کرنے والا
3۔ جب وہ مجبور ہو کر آئیں تو ان کے معاملات نمٹانے کے لیے کوشش کرنے والا
4۔ اور دل وزبان سے ان سے پیار کرنے والا
مزید یہ کہ اگر کوئی شخص مصر ہو کہ وہ زکوۃ کے علاوہ کسی کو کچھ نہ دے گا اور اس کے محلے یا عزیز وا قارب میں ضرورت مند سادات موجود ہوں تو اسے چاہیے کہ شرعی حیلے کے ذریعے کم از کم اموال زکوۃ سے ہی ان کی مدد کر دے۔ وہ شرعی حیلہ یہ ہے کہ پہلے کسی غیر سید ضرورت مند فقیر شخص کو مال زکوۃ دیا جائے۔ وہ غریب شخص مال زکوۃ قبول کر لے۔ اسی طرح وہ اس مال زکوۃ کا مالک بن جائے گا۔ مالک بن جانے کے بعد اپنی جانب سے اس سید زادے کو وہ رقم ہدیہ کر دے۔ یقیناً یہ اس کے لیے بھی باعث اجر وثواب ہوگا۔
اس پر دلیل رسول کریم ﷺ کا وہ مشہور زمانہ قول ہے جو آپ علیہ السلام نے حضرت بریرہ ؓ سے فرمایا تھا۔ جب انہیں بکری کا گوشت بطور صدقہ پیش کیا گیا اور رسول کریم ﷺ نے انہیں وہ گوشت پیش کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ تو صدقہ ہے اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا:
"لك صدقة ولنا هدية"
یہ تمہارے لیے صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

☆☆☆

خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

ڈاکٹر منظور حسین اختر

"اے اللہ حمد تیرے لئے ہے، تو زمینوں اور آسمانوں کا رب ہے، تعریفیں تیرے لئے ہیں، تو زمینوں اور آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کو قائم فرمانے والا ہے۔ تمام محامد و محاسن تیرے لئے ہیں، تو زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے۔ اے اللہ تیرا فرمان حق ہے، تیرا وعدہ سچا ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور تیرے حضور اپنا سرِ تسلیم خم کرتا ہوں اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ مولا! مجھے معاف فرمادے کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"۔

یہ ہیں وہ دعائیہ الفاظ، جن سے شاہ جی نے اس مرتبہ "جلسہ دستار فضیلت" کا آغاز فرمایا۔ اگرچہ اس پروگرام میں شاہ جی نے خود نظامت کے فرائض سرانجام دیئے اور خصوصی خطاب نہ فرمایا لیکن دورانِ نظامت شاہ جی نے وہ گراں قدر اور بیش قیمت الفاظ حاضرین کی نذر کئے جن کی مدد سے راہ حق کا متلاشی بآسانی اپنے لئے صراطِ مستقیم کا انتخاب کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں اپنی رپورٹ بھی شاہ جی کی پیار بھری، سبق آموز اور دلنشیں گفتگو سے شروع کر رہا ہوں۔ اگرچہ شاہ جی نے تو یکے بعد دیگرے مہمانوں کو دعوت دیتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے لیکن میں انہیں یکجا کر کے قارئین کی نذر کر رہا ہوں تاکہ انہیں شاہ جی کا پیغام سمجھنے میں مزید آسانی ہو سکے۔

پروگرام میں تشریف لانے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ ہم پیاسی ہوئی زمین ہیں اور یہ مہمان ابر نیساں سے برسنے والے بارش کے قطروں کی مانند ہیں جن سے زمین میں چھپے ہوئے بیجوں میں حیات پیدا ہو جاتی ہے اور پھر گل و لالہ اگنے لگ جاتے ہیں۔ شاہ جی نے فرمایا کہ آج کا دن بچوں (فارغ التحصیل علماء) کا دن ہے اور انہی کی حوصلہ افزائی کے لئے ایسی تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ آلِ رسول کی فضیلت پر بات کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ علامہ عبدالنبی احمد نگری 10 جلدوں پر مبنی معرکۃ الآراء کتاب "دستور العلماء" میں الکلب کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر کسی شخص کو پاگل کتا کاٹ لے اور کوئی دوائی اثر نہ کرے تو وہ کسی سید زادے کے بائیں پاؤں کا انگوٹھا چوس لے یا سید زادے کے پاؤں کی مٹی منہ میں ڈال لے تو اللہ اسے شفا عطا فرما دیتا ہے"۔

فارغ التحصیل علماء کو بالخصوص اور سامعین کو بالعموم پہلی نصیحت کرتے ہوئے شاہ جی نے عقیدہ پر زور دیا اور فرمایا کہ

"استحکام عقیدہ مذہب کی جان ہے۔ مضبوط عقیدے والے لوگ جنت کی رونقوں کی مانند ہوتے ہیں جبکہ ضعیف عقیدے والے دریا میں بہنے والے تنکے کی مانند ہوتے ہیں کہ حالات کی موجیں انہیں جہاں چاہیں پٹخ کر رکھ دیں۔ اے طلباء و علماء! محکم عقیدے کا دامن کبھی نہ چھوڑو، خواہ کیسی ہی قربانی دینی پڑے۔ بعض اوقات ایمان و عشق دنیا کی مصلحتوں سے ٹکرا جاتا ہے تو ایسی صورت میں کبھی ایمان کا سودا نہ کرنا۔ اللہ پر توکل رکھنا اور رسول اللہ ﷺ کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ آپ دیکھو گے کہ زمانہ اپنا رویہ بدلے گا اور پتھر مارنے والے لوگ بھی آپ کے قدموں میں پھول نچھاور کریں گے۔ یاد رکھو! کبھی عقیدہ پر سودا نہ کرنا۔ اگر کبھی غربت کے دھکے پڑیں اور حالات دین چھوڑنے کا تقاضا کریں تو میدانِ کربلا میں امام حسین کو یاد کر لینا اور ان کی داستانِ عزیمت پڑھ لینا تاکہ تمہیں حوصلہ مل جائے"۔

پچھلے دنوں جب توہینِ رسالت قانون پر ہرزہ سرائی کرنے والے گورنر "شیطان تاثیر" کو عاشقِ رسول ممتاز قادری نے جہنم واصل کیا تو سب سے پہلے شاہ جی کی زیرِ قیادت جماعت اہلِ سنت کے 500 علماء نے ممتاز قادری کی حمایت کا فتویٰ دیا اور گورنر کی موت پر اظہارِ افسوس کو حرام قرار دیا۔ اللہ کے فضل سے یہ اعزاز بھی جماعت اہلِ سنت کو حاصل ہوا کہ جب کبھی مذہبی و سیاسی جماعتیں کشمکش و پیچ میں گرفتار تھیں اور بہت سے نام نہاد راہنما کچھ بولنے سے گریزاں تھے ان لمحات میں شاہ جی اور ان کے رفقاء علماء نے قوم کو واضح اور دو ٹوک موقف عطا کیا۔ ان حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ:

"جب ممتاز قادری کا مزاحم ہوا تو جماعت اہلِ سنت کراچی کے دارالافتاء نے مجھ سے پوچھا تو میں نے سوچا کہ دنیا والے سارے مخالف بھی ہو جائیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا دامن نہیں چھوٹنا چاہیئے، چنانچہ فتویٰ دیا کہ گستاخِ رسول کا جنازہ جائز نہیں ہے"۔

حکومت کے اس قول پر کہ "وی آئی پی شخصیات کی سیکورٹی پر مامور اہلکاروں کی انکوائری کی جائے گی" پر تبصرہ کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ

"20- کروڑ اہلکاروں کی انکوائری کیسے کرو گے؟ انکوائری کرنا ہے تو وزراء کی کیوں نہیں کرتے کہ ان میں کوئی گستاخِ رسول تو چھپا ہوا نہیں ہے اور اگر تم سیکورٹی اہلکار بدل کر نئے لاؤ گے تو کیا گارنٹی ہے کہ نئے آنے والے سیکورٹی گارڈز میں کوئی عاشقِ رسول نہیں ہوگا۔ دراصل سمندر کے آگے بند نہیں بنایا جا سکتا۔ کتنے دارا و سکندر آئے اور چلے گئے لیکن دنیا آج بھی حضور ﷺ کے نعرے لگا رہی ہے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ ٹی وی پر گندے نام نہاد مفکرین آ کر حضور ﷺ کی عزت و ناموس پر حملے کرتے ہیں جیسا کہ غامدی نے کہا کہ

(معاذ اللہ) حضور ﷺ کی توہین کوئی جرم نہیں"۔

شاہ جی کا اصل میدان تصوف ہے۔ اگرچہ آپ بیک وقت عالم دین، استاد، مدرس، ادیب اور اعلیٰ پائے کے خطیب ہیں لیکن آپ کا اصل رنگ صوفیانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی گفتگو میں نفس کی اصلاح اور صوفیانہ نکات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ خطباء، نعت خوانان اور علماء کو دعوت دیتے ہوئے بھی شاہ جی کا صوفیانہ رنگ پھیکا نہ پڑ سکا۔ آپ کا ہے کا ہے حاضرین کے نفوس کی تربیت فرماتے رہے اور انہیں نفس کی اصلاح کے لئے بیش قیمت نسخے عطا فرماتے رہے، چنانچہ ایک مفکر کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

"اگر آرزوئیں گھوڑے بن جائیں تو ہر احمق ان پر سوار ہو جائے لیکن آرزوئیں تتلیوں کی مانند ہوتی ہیں کہ انہیں پکڑنا چاہیں تو انسان پکڑتے پکڑتے بہت دور نکل جاتا ہے۔ یعنی آرزوئیں ایسی چیز ہیں کہ جو کبھی ختم نہیں ہوتیں اور اگر یہ زیادہ ہو جائیں تو انسانی زندگی دکھی ہو جاتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق ؓ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ وہ نہ دکھی ہو اور نہ ہی احساس کمتری کا شکار ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستے کی آرزو کرے کہ معاملات زندگی میں اسے سیدھا راستہ مل جائے"۔

چونکہ سیدھا راستہ انہی لوگوں کا ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا یعنی انبیا، صدیقین، شہداء اور صالحین، چنانچہ شاہ جی نے حاضرین محفل کو تلقین کرتے ہوئے کہا کہ

"تجسس کی انگیٹھیاں گرم کریں اور سچے لوگوں کو تلاش کریں اس لئے کہ دنیا فتنوں کی آماجگاہ بن گئی ہے اور ان حالات میں کسی اللہ والے کی صحبت ہی سکون کا راستہ مہیا کرتی ہے۔ کتابیں پڑھنے سے علم نہیں آتا بلکہ صرف معلومات بڑھتی ہیں۔ کوئی تو وجہ ہوگی کہ تورات کے ساتھ موسیٰ، زبور کے ساتھ داؤد، انجیل کے ساتھ عیسیٰ علیہم السلام اور قرآن کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا قول ہے کہ صاحب نظر کے بغیر علم انقلاب پیدا نہیں کرتا اور صاحب نظر سے علم پڑھنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔

شاہ جی نے محافل کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ اجتماعات اور محافل کا مقصد تبدیلی لانا ہے کہ انسان اپنے اندر تبدیلی لائے اور اس اجتماع سے اگر آپ یہ جذبہ لے کر گئے کہ اللہ حضور ﷺ کا قرب عطا کرے تو میں سمجھوں گا کہ ہمارے اجتماع کا مقصد پورا ہو گیا۔

عملی طور پر تربیتی منہاج عطا کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا:

"کثرت سے اللہ کا ذکر اور درود شریف پڑھا کریں۔ یہ وظیفہ آپ کی زندگی کو مہکا دے گا۔ کسی دن حضور ﷺ کی ذات بابرکات پر 1000 مرتبہ درود شریف پڑھ کر دیکھیں آپ محسوس کریں گے کہ زمین کی بجائے ستاروں کی کہکشاؤں پر چل رہے ہیں۔ اپنی زندگی پر غور کریں کہ 2001 میں آپ جس مقام پر تھے کیا 2011 میں بھی اسی جگہ کھڑے ہیں یا کہ آپ کے کردار و اخلاق، علم و عمل میں کوئی ترقی آئی ہے۔ اگر ترقی نہیں آئی تو غالباً ایمان اسلام کا مفہوم نہیں سمجھا گیا۔ حدیث میں ہے کہ مومن کا ہر آنے والا دن اس کے گزرے ہوئے دن سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ کی زندگی میں ترقی آئے۔ آپ بہتری کی طرف بڑھیں۔ اگر آپ نے قرآن نہیں پڑھا تو قرآن پڑھیں، قرآن کے معانی سیکھیں، تفسیر جانیں، سیرت اور اسوۂ حسنہ سے فیض یاب ہوں۔ ہم ہوس، شہرت، خسروی، ناموری کے پیچھے پڑے ہیں لیکن ہمارے پاؤں تلے سے زمین کھسک رہی ہے اور کسی دن ہم اچانک قبر میں چلے جائیں گے، لہٰذا انجام کی فکر کریں۔ ایمان و قبر کی فکر کریں۔ بھول بھلیوں میں مبتلا نہ ہوں۔ مصنوعی کاغذی زندگی اچھی نہیں"۔

اہل مغرب اور انگریزوں کی چالبازیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"صلیبی جنگوں کے بعد مغرب بری طرح مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔ انگریز مسلمانوں کو ضعیف بنانے کے لئے اخلاقی انحطاط کا احیاء اور شرم و حیا، کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ مغرب ہمارے اثر و رسوخ والے لوگوں کو خرید رہا ہے۔ ہماری فکر خریدی جارہی ہے۔ مادیت اور بے فکری کی شکار قوم کے مستقبل کے لئے بہت کچھ سوچنا اور کرنا ہوگا"۔

انگریز بیزاری پر اپنے پڑدادا کا ذکر کرتے ہوئے شاہ جی نے بتایا کہ میرے پڑدادا نے 50۔ سال تک گاؤں سے باہر قدم نہیں رکھا کہ کہیں کسی گندے انگریز پر نظر نہ پڑ جائے۔

شاہ جی فارغ التحصیل ہونے والے علماء کی دستار بندی ہمیشہ تہجد کے وقت کرتے ہیں۔ نورانی اور وجدانی گھڑیوں میں جب بندوں کو اپنے رب تعالیٰ کی رحمت کا قرب خاص حاصل ہوتا ہے۔ تہجد کے نوافل کے بعد علماء کے سروں پر عمامے سجا دیئے جاتے ہیں تاکہ عزت و عظمت کے یہ نشان کبھی سرنگوں نہ ہونے پائیں اور پھر نہ جانے کن کیفیات سے معمور دعائیں ان علماء کے مقدر کا حصہ بنتی ہیں، لیکن شاہ جی نے ان سب باتوں کو سینہ راز میں چھپاتے ہوئے فرمایا کہ:

"تہجد کے وقت طلباء کو اس لئے بلاتا ہوں کہ 8 سال میں جو سختی کی ہوتی ہے اس کی تلافی کر سکوں"۔

ادارہ کے اساتذہ کی تنخواہ میں 500 روپے ماہانہ اضافہ کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ ان اساتذہ کی بڑی قربانیاں ہیں۔ اللہ ان کے علم وعمل میں برکت اور انہیں جزائے خیر عطا فرمائے"۔

چونکہ یہ تقریب فارغ التحصیل علماء کے نام تھی اور ان نوجوان علماء کو خصوصی نصیحتوں سے نوازنا مقصود تھا۔ چنانچہ بہت خوبصورت انداز اور محبت بھرے لہجے میں شاہ جی نے ان علماء کو بیش قیمت پند و نصائح سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"نیک نیتی کے بغیر علم کا پھل کھایا اور کھلایا نہیں جا سکتا۔ میرے بچو! قوم کو بے لوث ہو کر قرآن پڑھاؤ۔ ایک بندہ بھی ملے تو اسے بھی قرآن کی تعلیم دو۔ آسمان والا رب دنیا و آخرت میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ اگر علم میں اثر چاہتے ہو تو ایثار کرو۔ اللہ کے نام پر پہلے اپنی جیب کھولو پھر اللہ تمہیں غیب سے بے حساب عطا فرمائے گا۔ میری والدہ مجھے فرماتی تھیں کہ اگر تمہارے پاس چار آنے بھی ہیں تو ہر روز اللہ کی راہ میں خرچ کرو تم کبھی غریب نہیں ہوگے۔ نیکی کے غرور سے بچو، یہ سب کچھ لے ڈوبتا ہے۔ آدھی رات کو حضور ﷺ سے مناجات کرو کہ حضور ﷺ! کچھ نہیں آتا! آپ ﷺ عطا فرمائیں!!! ایسا کرنے سے اہلیت بڑھ جائے گی۔ کسی پر الزام نہ لگایا کرو۔ جمالیاتی انداز اختیار کرو۔ لوگوں سے اچھے انداز میں پیش آؤ۔ حضور ﷺ خود غلاموں کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور تحفے تحائف عطا فرماتے"۔

یہ وہ حسین اور سبق آموز پند و نصائح کے ہیرے موتی ہیں جو شاہ جی دوران تقریب اپنے سامعین کو عطا فرماتے رہے۔ اس تقریب میں 27 علماء کی دستار بندی کی گئی۔ گویا 27 خاندانوں کے سپوت علم و عرفان کی منزل سے آشنا ہوئے، دین رسول ﷺ کے 27 مرکز آباد ہوئے، محبت رسول ﷺ کے 27 سوتے پھوٹے اور ملک و ملت میں ضیا پاشیوں کے لئے 27 شمعیں تیار ہوئیں۔ سلام ہو ان علما کو جنہیں شاہ جی جیسی شخصیت کے قریب بیٹھنا نصیب ہوا۔

فارغ التحصیل علماء کے اسماء گرامی: وہ خوش نصیب شخصیات جنہیں شاہ جی کے زیر سایہ طلب علم کے مدارج طے کر کے علماء کے پروقار جہان میں قدم رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

علامہ سید عطا احمد شاہ، علامہ سید معین حسین شاہ (منڈی بہاؤالدین)، علامہ سعد افضل (ملتان)، علامہ حافظ نثار احمد (آزاد کشمیر)، علامہ عرفان ندیم، علامہ بابر فیاض، علامہ وقاص احمد، علامہ مطیع الرحمان، علامہ حافظ منشاد، علامہ محمد رضا، علامہ صبغت اللہ، علامہ محمد عبداللہ، علامہ سید اسرار حسین شاہ، علامہ عمران مالک، علامہ عامر عثمان، علامہ بلال احمد (مورگاہ)، علامہ بلال احمد (فتح جنگ)، علامہ حافظ ارسلان، علامہ قاضی شجاع الدین، علامہ ندیم شاہین، علامہ عدنان علوی، علامہ رضوان احمد، علامہ نوید علی خان، علامہ حیدر حیات، علامہ محمد عمران شفیق اور علامہ ندیم قریشی۔

ان خوش بخت علماء میں علامہ سید حیدر ریحان شاہ، شاہ جی کے بھانجے ہیں اور علامہ سید عطا احمد شاہ صاحب علامہ سید صادق حسین شاہ صاحب کے بھتیجے ہیں، جبکہ علامہ سید معین حسین شاہ، پیر سید خضر حسین شاہ کے صاحبزادے، علامہ عامر عثمان جناب عثمان غنی کے صاحبزادے ہیں۔ انگلینڈ و امریکہ، دنیا کے دیگر ممالک سے آنیوالے طلباء ادارہ تعلیمات اسلامیہ میں کثرت کے ساتھ زیر تعلیم ہیں۔ علامہ وقاص احمد کے لئے شاہ جی نے اعلان فرمایا کہ انہیں ملک شام میں مزید تعلیم کیلئے سلیکٹ کیا گیا ہے۔

جلسہ دستار فضیلت کی اس عظیم الشان تقریب میں علماء و مشائخ کا جم غفیر موجود تھا۔ سٹیج پر کثرت سے نورانی شخصیات جلوہ گر تھیں۔ سب سے پہلا خطاب سید زادے ہونے کے ناتے سے پیر سید شمس الدین بخاری کا تھا جنہوں نے بذات خود مسند علم و تقویٰ پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے شاہ جی کی عظمت و بزرگی کو صد ہا سلام عقیدت پیش کیا۔ آپ کا ایک جملہ سماعت فرمایئے!!!

"میں تو صرف شاہ جی کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں، وہ شاہ جی، جن کا حسب بھی اعلیٰ ہے، جن کا نسب بھی اعلیٰ ہے۔ شاہ جی وہ شخصیت ہیں کہ ایسے سید سے پیار کرنے والے کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ ہم شاہ جی کی غلامی کو باعث فخر سمجھتے ہیں"۔

دوسرا خطاب حضرت علامہ سید عارف حسین شاہ گیلانی کا تھا جنہوں نے فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے در پر نگاہوں کو جمایا ہے وہ جہاں بھی بیٹھے اللہ نے انہیں وہیں پر دوش ثریا سے ہمکنار کر دیا۔

ان کی زیست بسر ہوئی ہے آبرو کے ساتھ
جو نسبت چادر مصطفےٰ میں سر چھپا کے چلے

تیسرے خطاب کے لئے شاہ جی نے پیر سید خضر حسین شاہ کو دعوت دی جو اپنے صاحبزادے کی دستار فضیلت کا شرف بھی حاصل کر رہے تھے۔ شاہ جی نے انہیں اپنا کلام سنانے کو کہا اور واقعی انہوں نے اپنے کلام سے حاضرین کے دلوں کو گرما دیا۔ حتیٰ کہ بعد میں آنے والے ہر مقرر نے ان کی تائید و توصیف کرنا لازم سمجھا۔

آپ کے کلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے منبع ولایت شیر خدا علی
غوثوں کے اور قطبوں کے ہیں پیشوا علی
خوشبوئے بوتراب سے کعبہ مہک گیا
گھر میں خدا کے جب ہوئے جلوہ نما علی
تیری نظر سے بخت سنورتا ہے یا حسین
تیرے کرم سے وقت گزرتا ہے یا حسین
کتنا اثر ہے ذکر میں تیرے کہ ہر خطیب
تیرا ہی نام لے کے ابھرتا ہے یا حسین

چونکہ پیر سید خضر حسین شاہ کے صاحبزادے علامہ سید معین حسین شاہ نے سند فراغت حاصل کی اور شاہ جی کے ادارے سے علم کی تحصیل کی۔ اس پر پیر خضر شاہ صاحب نے شاہ جی کے لئے ایک نظم بعنوان "شکریہ" تحریر کی تھی۔ اسے جب حاضرین کے سامنے پیش کیا گیا تو حاضرین کے علاوہ سٹیج پر بیٹھے علماء و مشائخ بھی داد تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ حتیٰ کہ مفتی محمد اقبال چشتی صاحب بھی سٹیج سے نعرہ تکبیر و رسالت بلند فرماتے رہے۔

آپ کی نظم "شکریہ" ملاحظہ ہو:

پہلے کہتا ہوں حمد و ثنائے خدا
پھر کہوں مصطفیٰ ﷺ! آپ کا شکریہ
سیدہ بنت خیر الوریٰ طیبہ
مولا مشکل کشا! آپ کا شکریہ
اے حلیم جہاں! اے حسن آپ نے
زہر دشمن پیا تا کہ تازہ رہے
یہ ریاض حسین شہ دوسرا
ابن خیبر کشا آپ کا شکریہ
نور چشم نبی دست زور علی
راحت جان زہراء امام و ولی
میرا کاسہ ہے، تیرا ہے دست سخا
شاہ کرب و بلا آپ کا شکریہ
مرشد سیداں، شمس عالی نشان
اے قمر میرے مرشد فرید زماں
اے حمید سلیمان ہے فیض آپ کا
ہے معین آپ کا، آپ کا شکریہ
اے ریاض حسین و رسول زمن
عکس حسن حسین، ابن خیبر شکن
سیدوں کی پھبن، علم کے بانکپن

پور خیرالنساء آپ کا شکریہ
قائد محترم ، تیرا ہر ہر قدم
ہمدم ہمقدم ، ابن شاہِ امم
تیرے نوری قلم ، سیئوں کا بھرم
ہر جگہ رکھ لیا آپ کا شکریہ
جب یہ گرنے لگے کھا کہ ٹھوکر معین
شمس عالم ، معین جہاں تھامنا
تیرے پرچم کا عباسؓ! سایہ رہے
ابن مرحب کشا آپ کا شکریہ
شکریہ اے معین تیرے استاد کا
شکریہ تیرے شہ جی کی اولاد کا
شکریہ اس ادارے کی بنیاد کا
اے ریاض وفا آپ کا شکریہ
ہوں گداگر محمد کی اولاد کا
پاس رکھتے وہ میری فریاد کا
ہے جدا رنگ اس حقر کی ناو کا
اے نوائے صدا آپ کا شکریہ

پیر سید خضر حسین شاہ کے بعد ڈاکٹر طاہر رضا بخاری تشریف فرما ہوئے اور اپنے حسین انداز سے فرمایا کہ علم کی چاشنی چاہتے ہیں تو کسی مرد قلندر کی چوکھٹ پر بوسہ زن ہو جائیں۔

نہ تاج و تخت نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

علامہ بشیر احمد باڈلی شریف نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا کہ:

''آدمی لائبریریاں کھنگال لے تو اتنا علم نہیں ملتا جتنا کسی مرد قلندر کی صحبت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ تاج محل کی تعمیر آسان ہے لیکن شخصیت کی تعمیر مشکل ہے۔ اگر لوگ شاہ جی کی کتابیں پڑھیں تو سمجھیں کہ شاہ جی اعلیٰ پائے کے ادیب ہیں۔ اگر خطاب سنیں تو سمجھیں کہ شاہ جی اعلیٰ پائے کے خطیب ہیں اور اگر آپ کی تدریس دیکھیں تو سمجھیں کہ شاہ جی اعلیٰ پائے کے مدرس ہیں، لیکن شاہ جی صرف گلاب کا ایک پھول نہیں بلکہ پھولوں کا گلدستہ ہیں۔ آپ کی فیض رسانی غزالی و رازی کی روحیں فرماتی ہیں''۔

بلوچستان سے تشریف لائے صاحبزادہ خالد سلطان نے فرمایا کہ:

میں نے اپنے بیٹے اور بھانجے کو شاہ جی کے قدموں میں تحصیل علم کے لئے بھیجا کیونکہ یہاں پر صحابہ کرام کے دین کی جھلک نظر آتی ہے۔ اسی آستان پر محبت، توکل اور عاجزی کا درس دیا جاتا ہے۔ ہماری نسلیں بھی شاہ جی کی شکر گزار رہیں گی۔ آپ ہمہ گیر شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ کے شاگرد ہمیشہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے''۔

سب سے آخر میں خطیب اہل سنت، شیر بیشہ اہل سنت، حضرت علامہ مفتی محمد اقبال چشتی کا خطاب تھا۔ آپ نے اپنی گرجدار آواز میں بہت نکات پیش کئے اور خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا، امامین کریمین اور آل رسول ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ شاہ جی کے حضور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے کہا کہ ہم مرید کسی اور جگہ کے ہیں، شاگرد کسی اور جگہ کے ہیں لیکن شاہ جی ہمارے دلوں میں بستے ہیں۔ انہوں نے بڑے نکتے کی بات کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ شاہ جی کو تو ایک نظر دیکھنے والے بھی خوش نصیب ہوتے ہیں تو جنہوں نے 8,7۔ سال شاہ جی کے پاس پڑھا ہے ان کی شان کیا ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ اب تو مخالفین بھی کہتے ہیں کہ جماعتیں تب چلتی ہیں جب قائد شاہ جی جیسا ہو۔ حدیث پاک ''غبار المدينة يبرء الجذام'' پر ایک بیش قیمت نکتہ عطا فرماتے ہوئے مفتی

محمد اقبال چشتی نے کہا کہ اگر حضورﷺ کے قدموں سے غبار میں شفا آجاتی ہے تو حضورﷺ کے خون سے بننے والی آل رسول کا مقام کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ جس حدیث میں اماموں کا ذکر ہے اگر اسے تعویذ بنا کر گلے میں ڈالا جائے تو پاگل پن دور ہو جاتا ہے، پھر مفتی صاحب نے دورِ حاضر میں خارجیوں کی معنوی اولاد پر خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ شاید یہی وجہ ہے کہ کچھ پاگل آل رسول کا نام ہی نہیں لیتے کہ کہیں ان کا پاگل پن ہی دور نہ ہو جائے۔ انہوں نے بڑے دکھ سے ڈاکٹر ذاکر نائیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ لوگ آج کل یزید کی کھلے عام تعریف کر رہے ہیں۔ حاضرین کو پیغام دیتے ہوئے مفتی صاحب نے فرمایا کہ آؤ شاہ جی کی قیادت میں عہد کرتے ہیں کہ دین رسول پر پہرہ دیں گے۔ حسینی بن کر جئیں گے، حسینی بن کر مریں گے اور حسینی بن کر محشر میں اٹھیں گے۔ اے امت کے تاجدار! کٹ جائیں گے لیکن تیری ناموس پر سودا نہیں کریں گے۔

آخر میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ 295/C کو ختم کرنے کا خیال بھی ختم کیا جائے۔ فارغ التحصیل علما کو اسناد تقسیم کرتے، عوام الناس کو گنج ہائے بے بہا اور مجھ جیسے علم وعمل سے فارغ شخص کو دیدار کی دولت سے فیض یاب کرنے کے بعد شاہ جی نے مختصر سا حلقہ ذکر قائم فرمایا، درود پاک پڑھا گیا اور پھر وہ رقت آمیز، پُرسوز اور یقیناً عرش الٰہی کو چھوتی ہوئی دعاؤں کے نغمۂ دلپذیر کو چھیڑا گیا کہ جس نے ہر آنکھ کو شبنمی پیرہن پہنا دیا۔ دلوں میں خوف الٰہی اور عشق رسولﷺ کے سوتے جگمگا اٹھے۔ حاضرین اپنے ہاتھ بلند کر کے اپنے رب کریم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے تھے، حضورﷺ کی توجہ چاہ رہے تھے اور آئندہ اپنی زندگی اللہ ورسولﷺ کے احکامات کے مطابق بسر کرنے کی توفیق طلب کر رہے تھے۔ یقیناً شاہ جی، صوفی ولی الرحمان، پیر سید صادق حسین شاہ، نعمان شاہ جی، فیصل شاہ جی و دیگر "سنگیوں" اور علماء ومشائخ کی قربت میں اٹھے ہونے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے خالی نہیں لوٹائے ہوں گے۔ ویسے بھی جہاں اللہ کا ایک ولی ہو وہاں پر اللہ کی رحمت برستی ہے تو جہاں "ولی گر" ہو وہاں پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا شمار کون کرے گا۔

آیئے حضورﷺ کی حدیث پاک کے ایک ٹکڑے پر اپنی گفتگو کو ختم کرتے ہیں:

هم القوم الذی لا یشقیٰ جلیسهم

"یہ وہ قوم ہے جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا"

☆☆☆

عہد حاضر کا غازی علم الدین

ملک ممتاز حسین قادری

سعید بدر

مرحبا! اے مردِ حق! اے صاحبِ صدق و صفا
آنِ واحد میں یہ کیسا معرکہ سر کر لیا

لاج رکھ لی قادری نے ہم غریبوں کی ہے آج
لرزہ بر اندام واشنگٹن میں لیکن سامراج

دینِ حق کا قادری نے نام روشن کر دیا
جذبۂ مہر و اطاعت ہے دلوں میں بھر دیا

ہو گیا ہے شاملِ اہلِ وفا ممتاز آج
کر دیا اہلِ محبت کا ہے سرفراز آج

دین و دنیا میں ہوا ممتاز مردِ قادری
سرورِ دیں سے وفا کی جس نے بازی جیت لی

سرخوش و سرسبز ہے "اہلِ محبت" کا سفر
جاں فزا و روح پرور، سر بلند و مفتخر

آپ کو صدہا مبارک ! مرحبا! صد مرحبا!
عاشقانِ مصطفےٰ کا بول بالا کر دیا

یہ چمن مدت سے تھا مایوسیوں سے ہمکنار
چھا گئے تھے وسوسوں کے ابر ناپیدا کنار

ارتداد و کفر کے عامل تھے ہر جا سر بلند
تھے پریشاں حال لیکن اہلِ عشق و دردمند

مارے مارے پھر رہے تھے اہلِ حق ہر چار سو
جبر و استبداد کا سکہ رواں تھا کو بکو

لوٹ کا بازار تھا سرگرم ہر جا صبح و شام
لوٹتے تھے شہر کے والی رعایا کو مدام

حفظِ جان و مال کا تھا مٹ گیا نام و نشاں
دندناتے پھر رہے تھے چور اور ڈاکو یہاں

غربت ، افلاس کا چھایا تھا طوفانِ بلا
ایک نانِ جو کا متلاشی تھا ہر چھوٹا بڑا

عیش و عشرت میں تھے ڈوبے اہلِ ثروت سربسر
وہ غریبوں کے مصائب سے رہے تھے بے خبر

بڑھ گئی تھی "راج پالوں" کی مسلسل سرکشی
بے بسی تھی اہلِ مسلم کی و لیکن دیدنی

بوستانِ عشق میں پھر آ گئی یکدم بہار
چہچہانے لگ گئے ہیں طوطی و دراج و سار

دل کشا و جاں فزا نغمے ہیں پھیلے چار سو
نغمہ زن ہیں بلبلیں سب نغمہ ہائے الا ھُو

کھل اٹھے ہیں پھول، کلیاں تو ہنو اور جا بجا
موتیا، ریحان و سوسن، لالہ و گل، دل کشا

ہے مشامِ جاں معطر اور چمن مہکا ہوا
ایسے میں "پرجوش بندہ" جوش میں تھا آ گیا

"کارنامہ" مردِ حُر نے آج کیسا کر دیا؟
ایک "گستاخِ نبی" دوزخ کا ایندھن بن گیا

آنِ واحد میں ہوا ممتاز مردِ دل فگار
ایک معمولی ملازم، ایک ادنیٰ اہلکار

وقت کا فرماں روا، مغرور و سرکش، بے یقیں
دین سے بیگانہ، گستاخِ نبی آخریں

لوگ حیراں تھے کہ چڑیا نے کیا "چیتا" شکار
اور میداں میں رہا ڈٹ کر کھڑا، مردانہ وار

اس کے چہرے سے نمایاں تھی "سکینت" سربسر
اس کی پیشانی سے ظاہر تھا کہ تھا وہ مفتخر

"عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام"
کس قدر نکلا وہ عاشق، تیز قسمت، تیز گام

عام سا بندہ "محبت کا سفر" طے کر گیا
"خدمتِ سرکار" میں آخر وہ سر کے بل گیا

ربِ کعبہ نے بلندی کا اسے بخشا ہے تاج
انگلیاں دانتوں میں ڈالے دیکھتا ہے سامراج

اس کے گھر کو قوم نے پھولوں سے آخر بھر دیا
سرورِ دیں کے لئے ہے جس نے اپنا سر دیا

آج پھر ترکھان کا بیٹا ہے بازی لے گیا
عشقِ احمد کا ہمیں پیغام بے شک دے گیا

بدرؔ چل سکتے ہیں اس رستے پہ اہلِ درد آج
اور "دلِ مسلم" پہ کر سکتے ہیں وہ بھی آج راج

یہ وہ رستہ ہے جو لے جاتا ہے "شہرِ پاک" میں
بات آ سکتی نہیں یہ جہل کے ادراک میں

یہ وہ "رستہ" ہے جو لے جاتا ہے جنت میں ہمیں
شرط اتنی ہے کہ عشقِ مصطفےٰ میں کٹ مریں

آج بھی زندہ و تاباں، راہِ علم الدین ہے
کیا نمایاں اور درخشاں ، راہِ علم الدین ہے

سن لیں "گستاخِ رسالت" آج بھی زندہ ہیں ہم
ہیں صداقت کے امیں، ہیں زندہ و تابندہ ہم

بدرؔ ! کر اخلاص سے ربِ علی سے یہ دعا
اے الہٰ! مجھ کو چلا راہِ شہیدانِ وفا